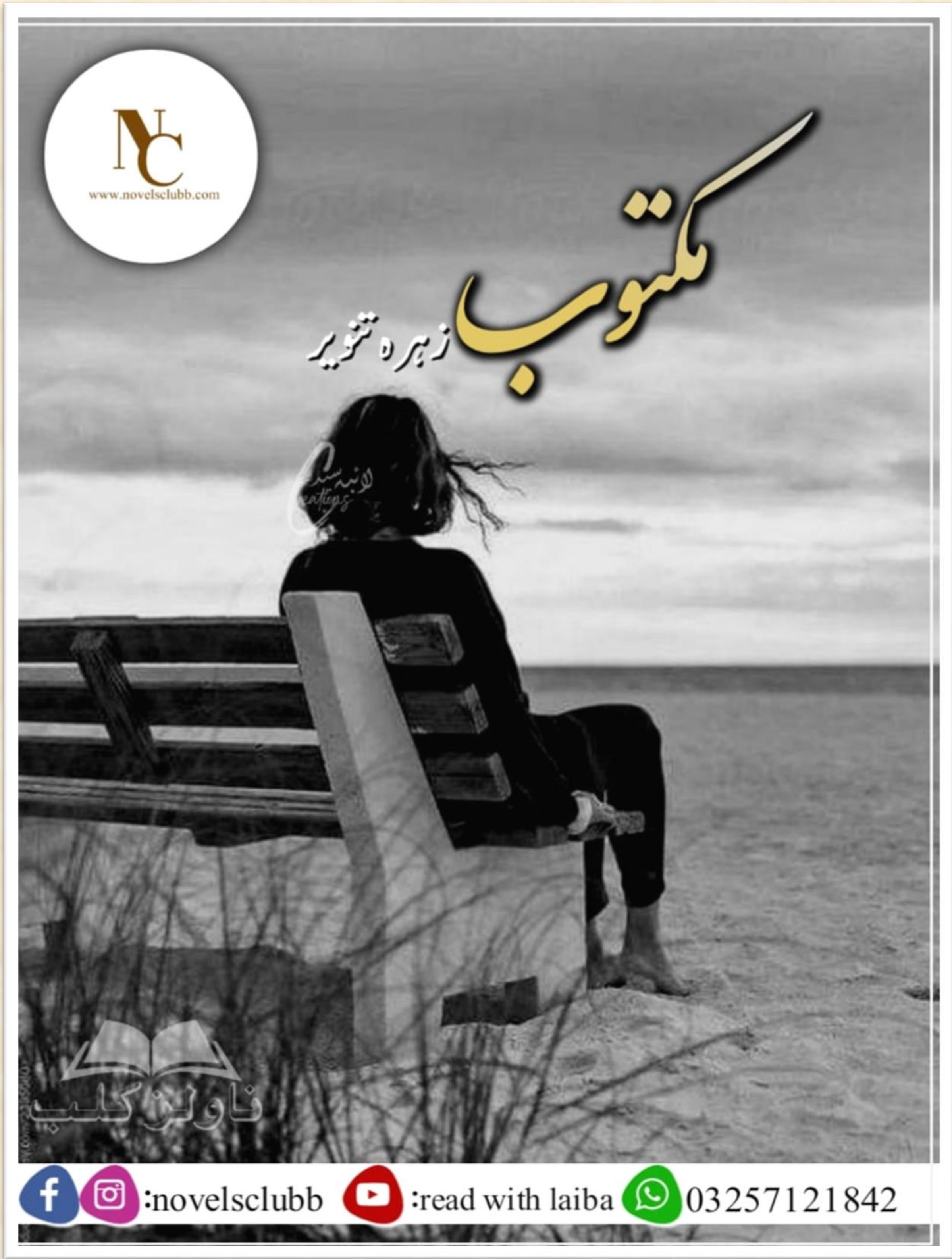
www.novelsclubb.com
مکتوب
زہرہ تنویر
ناولز کلب
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842

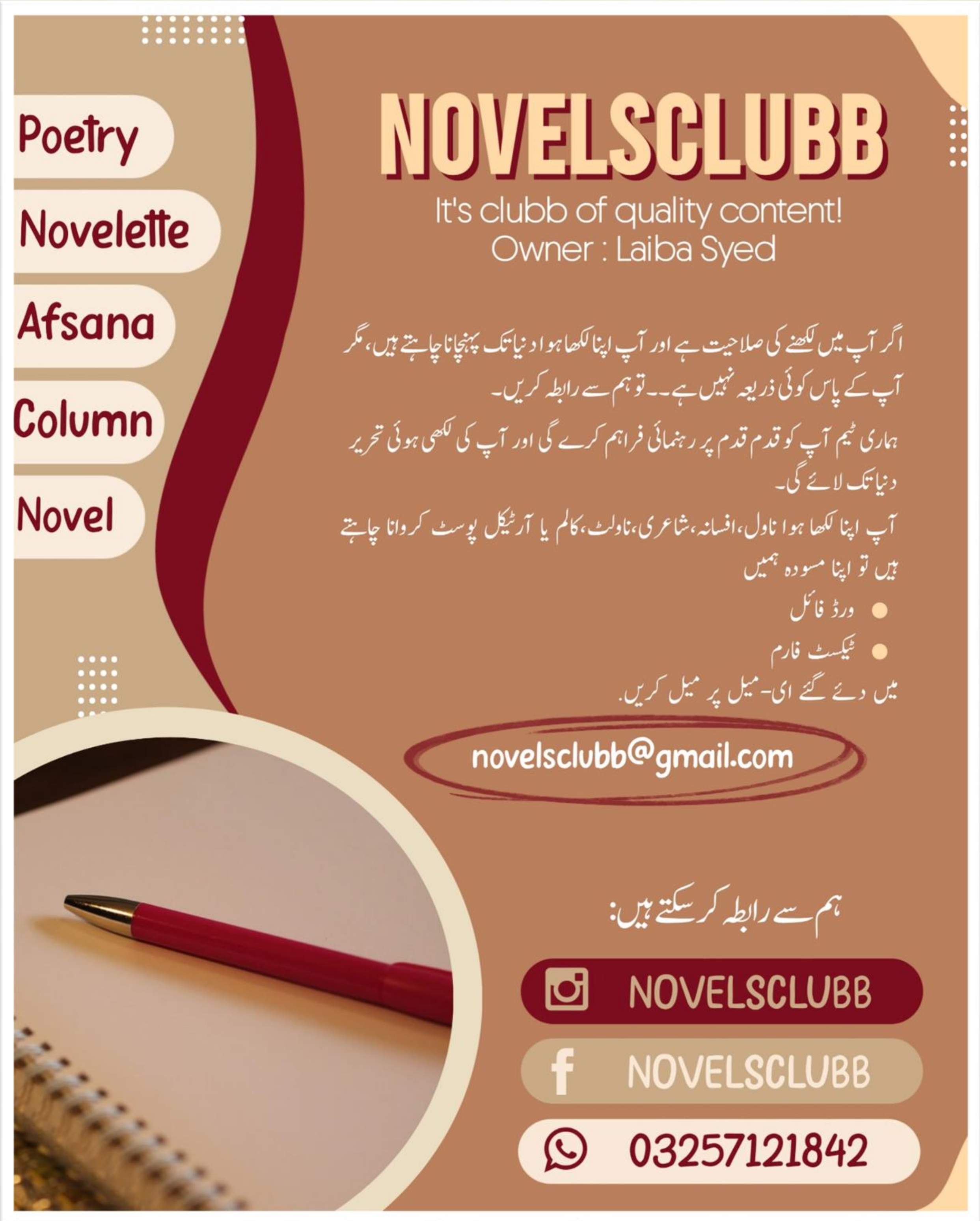
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

مکتوب

از قلم

زہرہ تنویر

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

پہلی قسط۔۔

آسمان پر چمکتے ہوئے سورج کی گرم شعاوں کی تپش کو اپنے عقب میں چھوڑ کر سامنے دکھائی دینے والی خوبصورت اور وسیع عمارت میں وہ داخل ہوئی تو پہچانے جانے کی فکر ہولے لگی۔ اسے لوگوں کے جھرمٹ میں رہنا کبھی عجیب نہیں لگا تھا لیکن اس وقت وہ بلکل اکیلی رہنا چاہتی تھی۔ ارد گرد سے بے ل یاز۔ اسے یقین تھا کہ وہ اندر داخل ہو گی تو کہیں نہ کہیں سے نوجوان لڑکیاں اسے پہچاننے لگیں گی۔ گو کہ وہ اس قدر مشہور نہ تھی لیکن آج کے زمانے میں انسٹاگرام انفلیونسرز سے زیادہ مشہور کون تھا۔ اور اس صورت میں جب آپ کے فالوورز کی تعداد لاکھوں میں ہو۔

Clubb of Quality Content

اس نے ٹخنوں کو چھوتے سلک گاؤن کے ساتھ ٹائٹس پہن رکھی تھی۔ کھلے بال پشت پر پھیلے تھے۔ وہ قدم اٹھاتی تو بال لہرا اٹھتے۔ چہرے پر ہلکا سا میک اپ تھا۔ پلکوں میں ٹھہرا مسکارا آنکھوں کو مزید دلکش بناتا تھا۔ اس کا سراپا روشنیوں کی زد میں تھا۔ وہ ملکہ نہیں تھی، لیکن اس کی چال میں ایک ٹھہراؤ تھا۔ وہ گراؤنڈ فلور سے سیدھا اوپر آئی۔ داہنی کہنی پر پرس

لٹکائے وہ ماربل کے فرش پر دھیرے دھیرے چل رہی تھی۔ ہیل کی ٹک ٹک کے ساتھ چلتے ہوئے وہ مطلوبہ دکان کے اندر داخل ہوئی۔ وہ روشنیوں سے چکا چوند جوتیوں کی دکان تھی۔ کچھ روز پہلے جب وہ پھوپھو کے ساتھ ادھر آئی تھی تو انھیں ایک شوز پسند آئے تھے لیکن نجانے کیوں انھوں نے خریدے نہیں۔

"جب مجھے ضرورت ہی نہیں ہے تو میں کیوں خریدوں۔ صرف اس لیے کہ مجھے اچھے لگے ہیں۔"

اس کے بہت زیادہ اصرار پر پھپھو نے یہ جواب دیا تھا۔

وہ شیشے کے اوپر تلے بنے مختلف ریکس کے سامنے کھڑے ان جوتوں کو ڈھونڈنے میں مصروف تھی جب سیلز بوائے باقی گاہکوں کو چھوڑے اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔

"میم بتول مغل! کیسی ہیں آپ؟"

وہ خوشدلی سے پوچھ رہا تھا۔ بتول نے چہرہ موڑا اور ناگواری سے اسے دیکھا۔

"بلکل ٹھیک۔ یہاں پستہ شوز۔۔" کہتے ہوئے اس نے نگاہ دوڑائی تو وہ اسے دکھائی دئے۔

"یہ دکھائیں ذرا"۔

اس نے انگوٹھیوں سے بھرا ہاتھ بلند کیا تو سلک کا بازو پھسل کر کہنی تک آیا۔اس کی دودھیا کلائی اور بازو صاف دکھائی دیا تھا۔

سیلز بوائے نے جھٹ سے پستہ شوز اتارے۔انھیں ڈبہ میں ڈالا۔بتول دکان کے وسط میں کھڑی طائرانہ نظر دوڑا رہی تھی۔

"آپ بتول مغل ہیں نا۔سوشل میڈیا انفلیونسر۔"لڑکیوں کا ایک گروہ اس کے قریب آیا جوش سے پوچھ رہا تھا۔وہ چونک کر پلٹی پھر اس نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔ یہ سب اس کے لئے نیا ہرگز نہ تھا۔

"اور بہت سی کلوتھنگ برانڈز کی ایمبیسیڈر۔"

ان میں سے ایک لڑکی نے اضافہ کیا۔اب بتول مغل ان لڑکیوں کے گروہ کے درمیان کھڑی تصویر کھینچوا رہی تھی۔بنا کسی جھجک کے۔اگر وہ کوئی پاکستانی ایکٹریس ہوتی تو یہ عمل سمجھ میں آتا لیکن ایک پاکستانی انسٹا گرام انفلیونسر۔۔۔۔؟

Clubb of Quality Content

"ایک سوشل میڈیا انفلیونسر ہونا کو نسا فخر کی بات ہے اور آجکل کی لڑکیاں بھی عجیب عجیب لڑکیوں کی فین ہو جاتی ہیں۔ اس جیسی لڑکی کی فین ہو سکتا ہے کوئی جو اپنے حسن کا اشتہار لگاتی ہے؟"

دکان کے کونے میں کھڑی ایک نوجوان لڑکی اپنی دوست سے کہہ رہی تھی لیکن یہ آواز اور الفاظ بتول تک بخوبی پہنچ گئے تھے۔ اس نے بمشکل سر جھٹکا۔ ایک تو نجانے لوگوں کو دوسروں کو بیچ راہ میں جج کرنے اور دوسروں پر جملے کسنے کی عادت کیوں تھی۔ اس نے چہرے پر مسکراہٹ سجائی اور جونہی قیمت کی ادائیگی کا وقت آیا تو سیلز مین نے اسے روک دیا۔

"میم! یہ آپ کے لئے ہے۔ ہمارے مینیجر کی طرف سے ایک تحفہ۔" سیلز بوائے مُسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ بتول کے ماتھے پر بل پڑے۔ بھنویں اچکا کر سیلز بوائے کی طرف دیکھا۔

"میں کیوں لوں آپ سے مفت میں؟" اس نے پانچ ہزار کے چند نوٹ اس کے سامنے رکھے۔

"اس وقت میں آپ کی کسٹمر ہوں۔ اور میں اتنے اَن پروفیشنل طریقے سے کام نہیں کرتی۔" اس نے اپنے موبائل سے دکان کی چند تصاویر اتاریں۔ شوز کا شاپر تھاما اور فوراً دکان سے باہر نکل آئی۔

اس کا ارادہ تھا کہ وہ کچھ دیر مزید یہاں ٹھہرے گی۔ چلتے پھرتے لوگ، شور و غل، روشنیاں، یہ سب بتول مغل کا عشق تھا۔ وہ یہاں گھنٹوں بور ہوئے بغیر گھوم سکتی تھی۔

فوڈ کارٹ میں داخل ہوتے ہی اس کا جی چاہا وہ پلٹ جائے۔ اس قدر رش تھا کہ ڈھونڈنے سے ہی کوئی خالی کرسی مل سکتی تھی۔ آس پاس نظریں دوڑا کر اس کو ایک خالی میز دکھائی دی۔ فوراً سے پیشتر وہاں جا بیٹھی۔ ساتھ ہی اپنے سفید پرس سے موبائل نکالا۔ سکرین روشن کی تو پھوپھو کی طرف سے مسڈ کال کا نوٹیفیکشن جگمگا رہا تھا۔ اس نے فوراً کال بیک کی۔ ساتھ ہی اپنا گلابی گال کھجانے لگی۔

"جی ارشاد۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کال ملتے فوراً یہی کہا تھا۔ بالائی منزل پر بنا فوڈ کارٹ لوگوں سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ ارد گرد لوگوں کی باتوں اور کانٹے چمچ کی آوازیں خوب سنائی دیتی تھیں۔

دوسری طرف سے کچھ کہنے پر اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ آنکھیں چھوٹی ہو گئیں۔

"یار! اس وقت میں مال کے فوڈ کارٹ میں بیٹھی ہوں۔ گھنٹے سے پہلے واپسی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

پھر وہ رکی۔ دوسری طرف سے کچھ کہا گیا تو اس کے ابرو خفگی سے اوپر کو اٹھے۔

"میں صبح آٹھ بجے کی گھر سے نکلی ہوں۔ فوٹو شوٹ تھا۔ کچھ دیر پہلے فارغ ہوئی ہوں۔"

کہتے ساتھ ہی ہلکا سا مسکرائی۔ اس کی آنکھوں میں نرمی اور چہرے پر شفقت تھی۔ آس پاس کی روشنیوں میں اس کی سرمئی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ چھوٹی خوبصورت بادامی شکل کی آنکھیں اور تیکھا ناک۔ گلابی گالوں پر افشاں بکھری تھی۔ کمر سے نیچے آتے سیدھے، سیاہ گھنے

بال۔ وہ عام خوبصورت لڑکیوں کی طرح خوبصورت تھی۔ آنکھوں کو اچھی لگتی تھی۔ لیکن کچھ تھا اس کی شخصیت میں کہ کوئی اس کو دیکھے تو چند پل ٹھہر کر مزید دیکھے۔

"ڈیڈ میرا پوچھ رہے تھے؟" آنکھوں میں یکدم ہی بے چینی عود آئی۔ دوسری طرف سے کچھ کہا گیا تو وہ استہزائیہ انداز میں سر جھٹک کر رہ گئی۔

"ڈیڈ اس وقت سو رہے تھے۔ میں ان کو نیند سے جگا کر بتاتی کہ میں باہر جا رہی ہو؟ حد کرتی ہیں پھوپھو آپ بھی۔"

لمحے بھر کا توقف کیا۔

"اور سب گھر والوں کو علم ہے کہ آج کل میرا کانٹریکٹ چل رہا۔ اب میں سب کو باری باری بتاؤں؟"

اس کے چہرے پر بے چینی تھی۔ آنکھوں میں ملال تھا۔ ڈیڈ کب تک اس سے خفا رہیں گے؟ کیا وہ ساری زندگی یہی کرتی رہے گی۔

دوسری طرف سے کچھ کہا گیا تو وہ خاموش ہو گئی۔ کچھ بھی کہے بغیر فون نیچے رکھ دیا۔ اسکرین بجھادی۔ چند لمحوں بعد اس کے ٹیبل پر بھورے رنگ کا پلاسٹک کا کپ تھا۔ وہ کڑوا مادہ حلق سے قطرہ قطرہ نیچے اتارنے لگی۔ ساتھ ہی دھیرے دھیرے اپنے پاؤں بھی جھلاتی رہتی۔ ٹیبل پر دھرے بائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی میں سبز نگینے کی انگوٹھی تھی۔ وہ نگینہ روشنیوں میں چمک رہا تھا۔ وہ کچھ دیر وہیں بیٹھی رہی۔ آس پاس سکون تھا، لوگ تھے ،روشنیاں تھیں، شور تھا۔ اسے زندگی سے اور کیا چاہیے تھا؟

کچھ دیر بعد اس کا موبائل پھر سے تھرتھراتے لگا۔ اس نے چونکتے ہوئے موبائل کی طرف دیکھا۔

"ڈیڈ کالنگ" کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔ اس نے فوراً کال اٹھائی۔

"میں صبح آٹھ بجے ایک فوٹوشوٹ کے لئے آئی تھی۔ سوری، آپ کو انفارم نہ کر سکی۔"

اس نے چھوٹتے فوراً ہی کہا تھا۔ آنکھوں میں پریشانی تھی، اگر غور سے دیکھو تو ان میں بیزاری بھی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"میں گھر آ رہی ہوں۔ بس راستے میں ہوں۔"

بہت سہولت سے جھوٹ بولا۔ ساتھ ہی کافی کا کپ منہ سے لگائے، اسی ہاتھ میں شاپر تھامے لمبے لمبے ڈگ بھرنے لگی۔

"آپ ڈرائیور کو کیوں بھیجیں گے۔ میں خود آ رہی ہوں نا۔"

موبائل کان اور کندھے کے درمیان رکھے وہ کہہ رہی تھی۔ ساتھ ہی شاپر دوسرے ہاتھ میں منتقل کیا۔

دوسری جانب سے کچھ کہا گیا تھا، کچھ سرد اور برہمی سے۔ اس کے ماتھے پر بل پڑے۔ وہ اپنی جگہ رک گئی۔

"آپ کو اپنی بیٹی پر یقین نہیں ہے تو یقین کرنا سیکھیں نا۔ کب تک یوں مجھے پنجرے میں قید رکھنے کی کوشش کریں گے۔ میں مر گئی تو آپ کے پاس کوئی اولاد بھی نہیں بچے گی جس پر سختیاں کر سکیں۔ میری تھوڑی تو قدر کریں یار۔"

آخر میں اس کی آواز میں بے چارگی در آئی تھی۔ کہتے ساتھ ہی اس نے کال کاٹ دی۔

آنکھوں میں پانی چمکا جسے اس نے اندر دبالیا۔ لمحے بھر کے لئے یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ وہ وہ لڑکی تھی جو ہر وقت خوش باش، اسنٹا گرام کی تصویروں میں مسکراتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے چلنے لگی۔ لفٹ سے گراؤنڈ فلور تک آئی۔ اس کا دل تھا کہ وہ کچھ دیر یہاں رکے۔ ونڈو شاپنگ ہی کرلے۔ لیکن نہیں، اس کے ڈیڈ اور ان کا خشک رویہ۔

خیر، کوئی نہیں۔ لاہور کا یہ مال ایک طرح سے اس کا کمفرٹ زون تھا۔ وہ جب بھی اداس، فارغ یا پریشا ہوتی تو پیکیجز مال آجاتی۔

ڈیڈ اس کو یہاں آنے سے نہیں روکتے تھے۔ بلکہ وہ تو اسے کہیں بھی جانے سے نہیں روکتے تھے اگر ایسا ہوتا تو وہ ایک انفلیونسر نہ ہوتی، بڑے بڑے برانڈز کے کپڑے پہن کر ان کے لئے تصویریں نہ کھنچوا رہی ہوتی، کبھی کسی ریستوران اور کبھی کسی مال میں جا کر ان کی چیزوں کے اشتہار نہ لگا رہی ہوتی۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ ڈیڈ ایسا کیوں کرتے تھے۔

ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے سوچا کہ شاید وہ کچھ زیادہ ہی بول گئی تھی۔ کیا اس نے زیادہ بد تمیزی کی تھی؟ لیکن خیر، ٹھیک ہی کہا تھا۔ وہ کب تک اس خشک سے رویے کو برداشت کرے گی۔ وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتی رہی۔ پیسنجر سیٹ پر شوز کا شاپر اور اس کا ہینڈ بیگ رکھا تھا۔

وہ گھر پہنچی تو علم ہوا کہ ڈیڈ آفس تھے۔ وہ آفس میں بیٹھے ہی اسے کال کر رہے تھے۔ لاونج خاموشی میں ڈوبا تھا۔ وہ وسیع اور پر تعیش لاؤنج کے عین درمیان میں کھڑی تھی۔ لاؤنج کے چاروں جانب بھاری پردے گرے تھے۔ ہلکے سبز رنگ کے صوفے لاؤنج کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہے تھے۔ وہ دھیرے سے صوفے پر بیٹھ گئی۔ پہلو میں پرس رکھا۔ پھر شاپر کھول کر شوز نکالنے لگی۔ وہ پستہ رنگ کے خوبصورت شوز تھے جس پر سفید موتی کناروں میں چمک رہے تھے۔ وہ بہت خوبصورت تھے۔ وہ انھیں ہاتھوں میں لئے لاؤنج سے اٹھی اور سیڑھیاں چڑھتی اوپر کے فلور میں آئی۔ راہداری کے ایک سرے پر کمرہ تھا جس کا دروازے بند تھا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹائے بغیر فوراً کھولا۔ بیڈ پر نیم دراز ایک عورت

ناولز کلب
Clubb for Quality Content

ہاتھوں میں کوئی کتاب لئے بیٹھی تھیں۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر چونکتے ہوئے سامنے دیکھا تو ان کے چہرے پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

"آ گئی! میری بیٹی"۔

اس نے شاپر کو اپنے پیچھے چھپالیا اور قدم قدم چلتی قریب آئی اور ان کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔ بس ایک یہ چہرہ وہ دیکھتی تھی اور چہرے سے ساری بیزاری رفع ہو جاتی تھی۔

"ہیپی برتھڈے ٹو یو۔ ہیپی برتھڈے ٹو یو۔ ہیپی برتھڈے مائی ڈیئر سٹ پھوپھو۔ ہیپی برتھڈے ٹو یو۔"

اس نے کہتے ساتھ ہی وہ شاپر آنکھوں کے سامنے کیا۔ پھر شوز نکال کر پھوپھو کے آگے رکھے۔ وہ حیرانی اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھنے لگیں۔ خوشی کے مارے اس کو گلے لگالیا۔

"تم میرے ساتھ اتنا کرتی ہو جتنی میری اپنی اولاد بھی نہیں کرتی۔"

Clubb of Quality Content

اس کا ماتھا چوما۔ بالوں کو سہلایا۔

"کیا میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں؟"

اس نے خفا نظروں سے سر اٹھا کر پھوپھو کو دیکھا۔ پھر ایک نظر کمرے میں دوڑائی۔ جہاز سائز پلنگ کے ساتھ سائڈ ٹیبل تھا۔ کمرے کے درمیان میں شیشے کا میز تھا اور فرشی کاؤچ جو علیزہ کا تھا۔

"تم میری بیٹی ہو نا۔ میری بتول."

"سوری میں کیک نہیں لا سکی۔ رات کو آپ کی سالگرہ کریں گے۔"

اس نے ایک جوش سے بتایا تھا۔

"کیا ضرورت ہے اتنے تکلف کی۔"

پھوپھو مسکرائیں پھر بتول کو اپنے ساتھ لگایا۔

Clubb of Quality Content

"تمھارے لئے ایک خوشخبری ہے۔ دو دن بعد وہ آرہا ہے۔ آج ہی کال کر کے بتایا ہے اس نے۔" پھو پھو کے چہرے پر دبا دبا سا جوش تھا۔ بڑھاپے کے باوجود ان کے چہرے پر جوانی کی خوبصورتی کا سایہ تھا۔

"کک۔۔کون آرہا ہے؟ بتول نے چہرہ اٹھایا اور اس نے دیکھا کہ پھپھو کے چہرے کی خوشی اس کے سوال کا جواب تھی۔

"میرا بیٹا۔ عبداللہ۔۔۔ عبدللہ آرہا ہے۔ پورے چار سالوں بعد"

بتول کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔ یکدم موت جیسی خاموشی چھا گئی۔ اسے لگا کہ سانس۔۔۔ سینے میں کہیں اٹک گئی ہے۔ اس نے گہرا سانس لیا۔ پلکوں کو جھپکا۔ حواس پر قابو پانے کی کوشش کی۔

پھپھو اسے کچھ اور بھی کہہ رہی تھیں۔ اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ آنکھوں کا منظر دھندلا رہا تھا۔ سماعتیں سن ہو رہی تھیں۔

"عبداللہ آرہا ہے؟"وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ پھپھو کا ہاتھ ایک جھٹکے سے چھوڑا اور کمرے سے نکل گئی۔

"عبداللہ آرہا ہے۔؟

ایک ایک قدم من بھر کا ہو رہا تھا۔"وہ کیسے آسکتا ہے۔اتنی جلدی۔۔۔۔۔اور وہ کیوں آرہا تھا۔وہ واپس آئے گا تو سب کچھ خراب ہو جائے گا۔زندگی اپنا توازن کھو دے گی۔"

وہ خود کو گھسیٹتے ہوئے کمرے تک لے کر گئی۔دروازہ مقفل کیا اور زمین پر بیٹھتی گئی۔

"اب جب سب ٹھیک ہو رہا تھا۔۔۔تو وہ واپس آرہا تھا۔جب وہ خود کو یقین دلا چکی تھی تو واپس آرہا تھا۔یہ زندگی اس کے ساتھ کیا کر رہی تھی۔قسمت کونسا کھیل رچا رہی تھی۔"اس نے سر گھٹنوں پر ٹکا لیا۔وہ تاریکی میں بیٹھی رہی۔اسے روشنیاں پسند تھی۔عبداللہ اس کے لئے ہمیشہ اندھیرے لاتا تھا۔

کھڑکی سے چھن کر آتی ہوئی روشنی اس کی تاریکی کو کم نہ کر سکی۔وہ اسی سیاہی میں ماضی کا سفر کرتی گئی۔

پانچ سال قبل جب سب شروع ہوا تھا۔ جب مغل خاندان کی دو جوان اموات پورے
خاندان کو لے ڈوبی تھیں۔

وہ اس وقت اپنے گھر کے لان میں کھڑی تھی۔ ارد گرد بے شمار لوگ تھے۔ اور ہر جانب
موت کا سماں تھا۔ صف ماتم بچھ چکا تھا۔ چیخ و پکار، آہ و بکا، بین کی آوازیں ہر جانب گونج رہی
تھی۔

بتول کی ماں نڈھال سی ہوتی لان کے وسط میں پری دو چارپائیوں میں سے ایک پر پڑی
لاش پر گر جاتی تھی۔ وہ کبھی چیخیں
مار کر رونے لگتیں، اور کبھی اپنے سینے پر مکے مارنے لگتیں۔ دوسری جانب اس کی پھوپھو
ایک چارپائی کے قریب بیٹھی
تھیں۔ ان کے ہونٹ سختی سے ایک دوسرے میں بند تھے۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی اور بے
یقین تھیں۔ وہ چیخ نہیں رہی تھیں، وہ بین نہیں ڈال رہی تھیں۔ وہ اپنے سینے میں مکے بھی

نہیں مار رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے، گہرے دکھ اور کرب سے آنسو بہا رہی تھیں۔ "میری بیٹی۔۔۔ میری بیٹی" کے علاوہ ان کے منہ سے کچھ نکلتا نہ تھا۔

بتول ہچکیوں سے روتی ہوئی اپنے بھائی کی چارپائی کے قریب بیٹھ رہی تھی۔ اس کا دوپٹہ ڈھلک کر کندھوں پر جھول رہا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں کے ساتھ سامنے دیکھ رہی تھی۔ یہ کیا ہو گیا، یہ کیسے ہو گیا؟۔ اس وقت مغل خاندان کا کوئی فرد اپنے ہوس و حواس میں ہر گز نہ تھا۔ سب پر غشی طاری ہو رہی تھی۔۔ ایک چھوٹی بچی اپنی بہن کے قریب بیٹھے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ وہ سفید چادر منہ سے ہٹاتی تو اس کے رونے میں شدت آجاتی تھی۔

Clubb of Quality Content

موت تھی۔ زندگی ختم تھی۔ خلاص۔ اختتام۔ آگے اندھیرا تھا۔ اتنا اندھیرا کہ کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔

"لڑکی نے پیار میں جان دے دی، ایسی بھی کیا مجبوری تھی؟" عورتوں میں سے کوئی عورت بولی تھی۔ اس وقت غم کا سماں تھا اور عورتیں چہ مگوئیاں کر رہی تھیں۔

"بھاڑ میں جائے ایسا پیار۔ اور لڑکے کی موت تو حادثاتی تھی۔۔"

چیخ و پکار کے درمیان چہ مگوئیوں کی آوازیں دب گئیں لیکن فضا میں ہمیشہ کے لئے ٹھہر گئی تھیں۔

بتول، بتول کی اماں، پھپھو اور چھوٹی بچی۔ یہ چاروں اس وقت شدت سے رو رہی تھیں۔ بتول کی اماں، فریال مغل، بے اختیاری کی حالت میں چیخیں مار رہی تھیں۔ ان کے گرد خاندان کی دوسری عورتیں بھی افسردگی کے عالم میں بیٹھی تھیں۔ لان کی فضا میں گہری کشیدگی تھی۔ غم تھا، حزن تھا، قلق تھا۔ اس وقت پورا خاندان ایک احساس کی لپیٹ میں تھا۔ "بے یقینی"۔ ہر جانب بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔

لان کے دوسری جانب مردوں کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ ہر جانب موت کا سناٹا پھیلا تھا۔

کوئی کچھ نہ کہتا تھا۔ سب گہرے غم میں مبتلا تھے۔

وہ سبز گھاس پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ اسی وقت کوئی نوجوان لڑکا عورتوں کی طرف سے ہوتا ہوا سامنے جارہا تھا۔ چلتے چلتے وہ کسی تبصرے کو سننے کے باعث اپنی جگہ یکدم رک گیا۔ اس کی محض پشت نظر آتی تھی۔

"اگر کسی نے میری بہن کے بارے میں فضول بات کی تو خدا کی قسم میں اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دوں گا۔"

اس کی آواز گیلی تھی۔ اس کا لہجہ اس کی اندرونی ٹوٹ پھوٹ کی عکاسی کررہا تھا۔ وہ انگلی اٹھا کر سختی سے تنبیہہ کررہا تھا۔ لیکن اسکا چہرہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اتنا کہا اور وہاں سے نکل گیا۔ عورتوں کی چہ مگوئیاں کرتی زبانیں چپ ہوگئیں۔

کچھ وقت اور گزر گیا۔ روتے ہوئے، آنسو بہاتے ہوئے۔۔ پھر وہ وقت آیا، جو بہت کڑا ہوتا۔ جس وقت میں جانے والے تو چلے جاتے ہیں، لیکن زندہ پیچھے رہ جانے والے بھی نہیں رہتے۔

مردوں کا گروہ چلتے چلتے قریب آیا۔ ان کے چہرے افسردہ تھا۔ کندھے ناتواں۔ لیکن انھیں یہ کرنا تھا۔ وہ "کلمہ شہادت" کہتے ہوئے دو جوان لوگوں کی لاشوں کو کاندھوں پر اٹھائے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اور پیچھے فریال بیگم اپنے حواس کھوتے ہوئے رو رہی تھیں۔ چیخ رہی تھیں۔ جہاں آرا مغل اب بھی خاموشی سے آنسو بہا رہی تھیں۔ شاید وہ "صبر" کر رہی تھیں۔ خدا کسی ماں کو اولاد کا غم نہ دکھائے۔ "بس۔۔بس۔۔بین ڈال کر نہ رو۔ جو ہوا اللہ کو منظور تھا" کوئی عورت ان کے قریب بیٹھی دلاسا دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس وقت مغل خاندان بہت بڑی قیامت کا شکار تھا۔

ماضی کا بلبلہ ہوا میں تحلیل ہوا۔ حال غالب آیا۔ وہ سر گھٹنوں پر ٹکائے اکڑوں بیٹھی تھی۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ مسکارا بہہ کر گالوں پر پھیلا تھا۔ ماضی سے بہت سی جان لیوا یادیں جڑی تھیں۔ وہ جھٹ سے اپنی جگہ سے اٹھی۔ کمرے کی بتیاں جلائیں۔ خود کو سنگھار آئینے میں دیکھا۔ ہاتھ۔ بڑھا کر بے دردی سے گال رگڑ ڈالے۔

آجائے عبداللہ، وہ دیکھ لے گی اسے بھی۔

ہاتھ پر پہنی سبز نگینے کی انگوٹھی اسی طرح چمک رہی تھی۔

ماضی کی یادوں کے بہت سے ٹکڑے یادداشت کا حصہ تھے۔ کبھی کوئی ٹکڑا بجلی کے کوندے کی طرح ذہن میں لپکتا اور کبھی کوئی۔ وہ ان ٹکڑوں کو جھٹکنے کی کوشش کرتی لیکن ناکام ہوجاتی۔ پھر اس نے دیکھا کہ شیشے میں ایک اور عکس دکھائی دینے لگا۔ اس نے سرعت سے چہرہ موڑا تو وہاں عبداللہ کھڑا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے چھونا چاہا لیکن رک گئی، وہ جانتی تھی اگر اس نے ایسا کیا تو شیشے میں دکھائی دینے والا اس کا وجود غائب ہوجائے گا۔ اور وہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے چہرہ پھیر کر شیشے میں دیکھا تو اس کمرے کی جگہ اس کے گھر کے کچن نے لے لی۔ فضا بدلی، ماحول بدلا اور وہ کچن کے درمیان میں کھڑی تھی۔ اس کے سامنے ایک نوجوان لڑکا کچن کی سلیب سے ٹیک لگائے فرصت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"جب کافی میکر موجود ہے تو کیا ضرورت ہے کہ میں ہاتھوں سے کافی پھینٹوں۔"

بتول خفگی سے کہہ رہی تھی۔ وہ اس وقت قریباً اٹھارہ انیس برس کی ہوگی۔ اس کے گال پھولے اور وزن بڑھا ہوا تھا۔

"ہاں! کیونکہ ہمارے گھر کافی میکر نہیں ہوتا تھا اور مجھے ایسے پینے کی عادت ہے۔"

لڑکے نے کمال بے نیازی سے کہا۔ بتول خاموش ہو گئی۔

"ویسے عبداللہ بھائی! کافی میں ایسا بھی کونسا نشا ہے جو صبح اٹھو تو آپ کو کافی چاہیے، دن شروع کرنا ہے تو کافی چاہیے، شام کا وقت ہو گیا تو کافی چاہیے، رات ہو گئی ہے تو کافی چاہیے اب سونا ہے تو سونے کے لئے بھی کافی ہی چاہیے۔"

اس نے پھینٹتے ہوئے کچن میں پڑے ڈائننگ ٹیبل کے گرد رکھی کرسیوں میں سے ایک کرسی کھینچی اور وہاں بیٹھ گئی۔ کچن کافی وسیع اور شاندار طرز پر بنا تھا۔ وہ دونوں رات کے اس پہر روز کچن میں آتے تھے۔ ایک کافی بناتا اور دوسرا کافی پیتا۔

"بلکل ویسا نشا جو تمھاری چائے میں ہوتا ہے۔ کیسا نشا ہوتا ہے اس میں؟"

عبداللہ نے شرارت بھری مسکراہٹ سے کہا۔ بتول نے اس کی طرف دیکھا اور دونوں ہنس پڑے۔ عبداللہ تئیس سال کا خوبصورت اور روبرو نوجوان تھا۔ سیاہ بھور آنکھیں اور اٹھی

نولز کلب
Club of Quality Content

ہوئی ناک۔ ہلکے بھورے بال ماتھے پر بکھرے تھے۔ وہ اس وقت سرمئی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس تھا۔

وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تمھاری اسٹڈیز کیسی جارہی ہیں؟"

عبداللہ نے اس سے پوچھا۔ وہ بات کرتے ہوئے دو تین بار پلکیں جھپکتا تھا۔ بتول نے اس کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں خفگی ابھری۔ کپ سائیڈ پر رکھتے ہوئے وہ چیخنے والے انداز میں بولی۔

"یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ آپ روز بھول جاتے ہیں کہ میں آج کل فری ہوں۔ ایف۔ ایس۔ سی کے امتحان ابھی دئے ہیں۔ اب یونیورسٹی میں داخلہ لینا ہے۔"

"اوہ ہاں! سوری، سوری۔ میں واقعی بھول جاتا ہوں۔" اس نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ "اچھا، اب جلدی کافی بنا دو نا پلیز"

وہ کافی کا کپ ہاتھ میں لیے کھڑی ہوئی۔ چولہے کے قریب جا کر دودھ گرم کیا۔ ابلتے ہوئے دودھ میں کافی اور چینی کا پیسٹ ڈالا تو دودھ کا رنگ سنہری ہو گیا۔ کافی کا مگ ہاتھ میں لئے وہ جونہی پلٹی تو یکدم چونک گئی۔ کرسی خالی تھی۔ بلکہ پورا کچن ہی خالی تھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ اس نے بے دلی سے کافی کا سارا مگ سنک میں الٹ دیا۔ یہ آج کتنی مرتبہ ہو چکا تھا؟ اس نے انگلی کی پوروں پر گننا چاہا۔ وہ گنتی بھول گئی۔ عبداللہ بہت مرتبہ ایسا کر چکا تھا۔ جب بھی کافی تیار ہوتی تو وہ وہاں سے غائب ہو جاتا۔ شروع شروع کے کچھ دن تو وہ اس کے کمرے تک گئی تھی۔ اس نے بہت مرتبہ دروازہ کھٹکھٹایا تھا، لیکن کوئی جواب نہ ملنے پر وہ مایوسی میں پلٹ جاتی تھی۔ اب وہ نہیں جاتی تھی۔ وہ کافی الٹ دیتی تھی۔ وہ کیوں تھا ایسا؟ اتنی پراسرار حرکتیں کر کے وہ یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ وہ کسی انگریزی فلم کا ہیرو ہے؟ اس نے سر جھٹکا اور خراماں خراماں چلتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ البتہ دل ہر شے سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ ذہن بہت سی سوچوں میں الجھ گیا تھا۔ شاید، اسے اپنی

بہن بہت یاد آتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بہت سی ذہنی الجھنوں کا شکار ہو۔ وہ بھی تو تھی۔

اس گھر کا ہر فرد ان دنوں گہرے حزن کا شکار تھا۔

"مجھ سے دور رہو۔ میں اچھا آدمی نہیں ہوں۔ بتول، میں اچھا آدمی نہیں ہوں۔"

دروازے کے ہینڈل پر جمے اس کے ہاتھ لمحہ بھر کے لئے ساکت ہوئے۔ اس نے رکی ہوئی سانس کے ساتھ پلٹ کر دیکھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ گول دار سیڑھیوں کے اختتام پر لاؤنج خاموشی میں ڈوبا تھا۔ اس جگہ وہ اکیلی کھڑی تھی۔ وہاں کون تھا؟ شاید کوئی نہیں۔ شاید اس کا تخیل۔ اس نے سر جھٹکا اور اندر داخل ہو گئی۔ دروازے پر ہونے والی آواز اسے حال میں واپس لائی۔ یہ موجودہ وقت تھا، حال تھا، اور اس حال میں عبداللہ نہیں تھا۔ وہ ماضی کا حصہ تھا۔

اب کے اسکا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا نہیں تھا۔ وہ بلکل سپاٹ تھا۔ آنکھیں خشک تھیں۔

ملازمہ اندر آئی۔ نیچے دادا بلا رہے تھے۔ کیونکہ یہ وقت شام کی چائے کا تھا اور اس لمحے ہر کسی کو اپنے ضروری کام چھوڑ کر بھی لان میں پہنچنا تھا۔

بتول بے دلی سے تیار ہونے لگی۔ اور کچھ دیر بعد اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ پیچھے اندھیرا رہ گیا۔

بتول مغل اس خاندان کی واحد چشم و چراغ تھی۔ اس کے بڑے بھائی کی وفات کے بعد خاندان کا ہر فرد انجانے سے خوف میں آ گیا تھا۔ ہر وقت بتول بتول کی پکار ہوتی تھی۔ سوائے اس کے ڈیڈ، حسن علی مغل کے۔ وہ اس سے بہت نالاں اور اکھڑے رہتے تھے۔ آغا علی مغل، بتول کے دادا، کو بتول سے حد سے زیادہ دلی لگاؤ تھا۔ ان کا دن بتول کا چہرہ دیکھنے سے شروع ہوتا اور رات کی آخری بات وہ اسی سے کرتے۔ بتول کا بھی یہی حال تھا۔ خاندان کے افراد بہت ہی مختصر تھے۔ گھر کے پہلے فلور میں بتول کے اماں، ابا اور دادا کا کمرہ تھا۔ دوسرے فلور میں بتول کا کمرہ اور اس کی پھپھو، ان کی چھوٹی بیٹی علیزہ اور عبداللہ کا کمرہ تھا۔ چونکہ عبداللہ پچھلے چار سالوں سے پاکستان میں نہ تھا، اس لئے اس کا کمرہ بند ہی رہتا۔

پانچ سال قبل پھپھو اپنے بھائی اور ابا کے گھر منتقل ہو گئ تھیں۔ وہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ آغا علی مغل کے زبردستی اسرار پر یہاں آئ تھیں۔ وہ اپنی بیٹی کی ناساز طبیعت کے پیشِ نظر انھیں اپنے ساتھ رکھنے پر بضد تھے۔

اتنے عرصے سے وہ سب ایک ساتھ رہ رہے تھے۔ آغا علی مغل کی پوری فیملی ایک ہی گھر میں مکین تھی۔

بتول نے دو سال پہلے انسٹا گرام انفلیونسر کے طور پر اپنی زندگی کو ایک شکل دی تھی۔ وہ مختلف کلوتھنگ برانڈز کے لئے فوٹو شوٹ بھی کرتی تھی۔ وہ آزاد تھی، اور اس کی وجہ محض اس کے دادا تھے۔

بتول کے ڈیڈ، حسن علی صاحب، اس کی ماڈلنگ سے قطعاً خوش نہ تھے۔ بتول کے ڈیڈ، حسن علی صاحب، اس کی ماڈلنگ سے قطعاً خوش نہ تھے۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ بھی اس کے ڈیڈ اس سے ہرگز خوش نہ ہو سکے تھے۔ اور اسی وجہ سے باپ بیٹی کے تعلقات میں وقتاً فوقتاً کشیدگی پیدا ہوتی رہتی تھی۔ وہ اپنے تئیں اس پر سختی کرنے کی کوشش کرتے تو وہ اپنی

طرف سے دادا کو آگے کر دیتی۔ بتول اور حسن مغل کے درمیان بہت کم بات چیت ہوتی تھی۔ سوائے اس کے کہ "تم اس وقت کہاں ہو؟" حسن مغل بتول سے کوئی بات نہ کرتے تھے۔

خدا جانے یہ معاملات کب ٹھیک ہوں گے۔ کیونکہ بتول کہتی تھی کہ نہ وہ انفلیونسنگ چھوڑے گی نہ ماڈلنگ۔ اسے یہ سب اچھا لگتا تھا۔ اسے لائم لائٹ میں رہنا، روشنیوں میں گھرے رہنا بہت پسند تھا۔ ہزاروں مداح اس کی تعریف کریں، اس کی خوبصورتی کے چرچے کریں، اسے یہ سب بہت دلکش لگتا تھا۔ اپنی ہر پوسٹ کے نیچے لوگوں کے لکھے گئے حسرت بھرے جملے "کاش !ہماری بھی ایسی زندگی ہوتی۔"

"کاش !میں بھی اتنی امیر ہوتی۔"

"مجھے بھی اتنی نعمتیں ملتیں، میں بھی اپنی دوستوں کے ساتھ شہر کے بڑے بڑے ریستوران ایکسپلور کرتی۔"

اسے یہ سب پڑھ کر ایک الگ ہی مزہ آتا تھا۔ کائنات میں موجود کوئی انسان اس کے دل کے حالات سے واقف نہ تھا، لیکن انسٹاگرام کی پوسٹس اور اسٹوریز میں نظر آتی دلکش تصاویر لوگوں کو رشک اور حسد میں ڈال دیتی تھیں۔ نہ جانے کیوں اسے اچھا لگتا تھا۔ اسے وہاں تعریفیں اور توجہ ملتی تھی، جو اسے بھرپور خوش کر دیتی تھی۔

بتول مغل کی زندگی اچھی چل رہی تھی۔ انسٹاگرام کی اسٹوریز اور تصاویر میں۔

یہاں اسے کاملیت ملتی تھی۔ اس کے لئے ابھی اتنا ہی کافی تھا۔

زندگی نے اس کے لئے مزید امتحان تیار کر رکھے تھے۔ بس مناسب وقت کا انتظار تھا۔

Clubb of Quality Content!

****

شہر لاہور۔ یہ پاکستان کا وہ شہر ہے جہاں ہر طبقے کے لوگ پائے جاتے ہیں۔

یہاں ایلیٹ کلاس سے لے کر سب سے نچلے طبقے کے لوگ بھی رہتے ہیں اور یہاں اپر مڈل کلاس سے لے کر مڈل کلاس کے لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ شہر پاکستان کے دوسرے بڑے شہروں سے بہت مختلف ہے۔

یہاں وہ طبقہ بھی ہے جس کے لئے ریستوران میں کھانا کھانا اور وہاں جانا معیوب سمجھا جاتا ہے اور وہ ان جگہوں کو کسی لعنت سے کم نہیں سمجھتے۔ اسی طبقے کے کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس چیز کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہاں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے پوری زندگی کسی ریستوران اور کیفے کی شکل تک نہیں دیکھی۔ قصہ کوتاہ، یہاں سب کچھ ہے لیکن یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔

ہماری داستاں کا حصہ ایک مڈل کلاس گھرانہ ہے۔ یہ شہر لاہور کا حصہ ہے۔ لیکن اگر ایلیٹ کلاس کے لوگ ایسے چند گھرانوں کو دیکھ لیں تو یقین نہ کریں کہ یہ وہی شہر ہے جہاں وہ رہتے ہیں، جہاں وہ روز ریستورانوں، کیفے اور کلبز میں جاتے ہیں، یہ اسی شہر کے باشندے ہیں۔

لاہور شہر کے ایک اعلیٰ رہائشی علاقے گلبرگ کی خوبصورت کالونی کو پیچھے چھوڑ کر آبادی میں داخل ہو تو یہاں بھی ہر قسم کے لوگ ہیں۔ اپنے مطابق امیر سے امیر اور غریب سے غریب۔ اس وقت ہم ایک محلے کے خوبصورت گھر کو زیربیان لاتے ہیں۔۔ صدر دروازہ پار

کر کے اندر داخل ہو تو ایک لمبی راہداری کے سرے پر ایک چھوٹا کمرہ ہے جس کا گہرا بھورے رنگ کا دروازہ بند دکھائی دے رہا تھا۔ دروازے کے ساتھ کان لگاؤ تو اندر کی آوازیں صاف سنائی دیں گی۔

"اب میں نے اس کے ہاتھوں میں یہ کتابیں دیکھ لیں تو خدا کی قسم میں انھیں جلادوں گا۔"

اندر سے بھاری مردانہ آواز غصے کی زد میں تھی۔ اگر دروازے کا ہینڈل گھما کر دروازہ وا کرو تو اندر کا منظر واضح دکھائی دے گا۔

سنگل بیڈ پر ایک لڑکی چہرہ جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کی گود میں سبز سرورق کی کتاب دھری تھی۔ اس نے اپنا جھکا چہرہ اٹھایا تو سامنے دو کرسیوں میں سے ایک کرسی پر ایک مرد بیٹھا تھا۔

"یہ کتابیں پڑھنے والی ہیں؟ اگر میں نے یہ کتابیں دیکھ لیں تو جن دوستوں سے لے کر آتی ہو ان سے دوستی ختم کروادوں گا۔"

بولنے والے کا چہرہ خوبصورت تھا لیکن لہجہ اور زبان بلکل نہیں۔

"کیوں پڑھتی ہے یہ کتابیں؟ کیا رکھا ہے ان میں۔"

بوڑھی عورت لڑکی کے سر پر کھڑی کہہ رہی تھی۔اس کے چہرے پر بیزاری اور لاپرواہی تھی۔

"اماں!یہ کتابیں ہیں۔ان کو پڑھنے میں کیا برائی ہے؟

لڑکی کا لہجہ مدافعانہ اور مضبوط تھا۔آنکھوں میں غصہ ہلکورے لے رہا تھا

"اچھا؟ان کو پڑھنے میں کیا برائی ہے؟

سامنے بیٹھا مرد آہستہ آواز لیکن سخت لہجے میں بولا تھا۔

"پتہ ہے سب کتنی باتیں کرتے ہیں کہ تم ناولز پڑھتی ہو۔کوئی اچھا نہیں سمجھتا۔تم بھی نہ پڑھا کرو۔"

اماں سمجھانے والے انداز میں کہتے ہوئے لڑکی کے ساتھ بیٹھ گئیں۔البتہ چہرے پر کوئی خاص تاثر نہ تھا

"لیکن یہ کتابیں ہیں۔ اور کتابیں اچھی یا بری نہیں ہوتیں۔ کتابیں بس پڑھنے کے لئے ہوتی ہیں۔ میں کیوں نہ پڑھوں؟ میری مرضی اور میرا شوق۔"

وہ اپنے بھائی اور ماں کو سمجھانے والے انداز میں بتا رہی تھی۔ بھائی کے تاثرات مزید سخت ہوئے۔

"ان کتابوں میں اچھی باتیں بھی ہوتی ہیں۔ بھائی۔"

اس کے بھائی کے چہرے کے تاثرات مزید کرخت ہوئے۔ چہرے کے جبڑے تن گئے۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

"تو اس کی جگہ قرآن کیوں نہیں پڑھ لیتی ہاں؟ یہ کتابیں گمراہ کرتی ہیں۔ اگر کتابیں اچھی لگتی ہیں تو قرآن پڑھ لیا کرو نا۔"

وہ سر جھٹکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھا اور کمرے میں لگے شیشے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ مرد بھی ان مڈل کلاس مردوں کی طرح تھا جسے اپنے گھر کی عورتوں، ان کی خواہشات، ان کی زندگی کی چوائسز کو قابو کرنے کی خواہش ہوتی ہے۔ اگر وہ اس میں ناکام

ہو جائیں تو لعنت ہو ان کی مردانگی پر۔ وہ اپنے گھر کی عورتوں کو قابو نہیں کر سکتے؟ پھر تو تف ہو ان پر۔

"تو پھر پورے گھر بلکہ پورے خاندان کے لوگ جو مجھ پر باتیں کرتے ہیں کہ میں ناولز پڑھتی ہوں، اس کی جگہ قرآن پڑھ لیا کروں تو خود یہ کیا کرتے ہیں؟ یہ اپنے فارغ وقت میں ڈرامیں، فلمیں اور موبائل کی سکرولنگ کیوں کرتے ہیں۔ یہ اس وقت قرآن کیوں نہیں پڑھ لیتے۔"

وہ لڑکی تندہی سے کہہ رہی تھی۔ ایسے نہیں تو پھر ایسے ہی ٹھیک۔

"جو مجھے کہتے ہیں کہ میں ناولز پڑھ کر اپنا دماغ خراب کر رہی ہوں تو پھر یہ اپنے بچوں کے ہاتھوں سے موبائل کیوں نہیں کھینچ لیتے۔ یہ ان کے ہاتھوں میں قرآن کیوں نہیں دے دیتے۔ ہاں؟"

اس کے بھائی کے چہرے پر حیرانی اور بے یقینی تھی۔

"میرے آگے زبان چلاؤ گی؟"

"ہاں! چلاؤں گی۔ جب میرے باپ کو مسئلہ نہیں تو پورے خاندان کو کیوں مسئلہ ہے۔ کیا ان کی اپنی زندگیوں میں کم مسائل ہیں؟"

اس نے سبز سرورق کی کتاب کو سینے سے لگایا۔ اس سرورق پر گول چھوٹے دانے بنے تھے

۔

"میرے معاملات سے دور رہو۔ میں جانوں، میرا باپ جانے۔"

بھائی کے کندھے ڈھیلے پڑے۔

"ٹھیک ہے۔ جب پورا خاندان بیٹھ کر تمہارا مزاق اڑائے گا نا کہ تم ناولز پڑھتی ہو، تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ تب انکو جواب دینا۔"

ان دونوں کی ماں خاموشی سے بیٹھی دیکھ رہی تھی۔ یہ تو روز روز کا مسئلہ تھا۔ کتابیں جلانے کی دھمکی اور پھر اپنے دفاع میں زبان درازی۔

Clubb of Quality Content

"ہک ہاہ۔ یہی پورا خاندان اگر میری طرح دو کتابیں پڑھ لیتا تو کم از کم سب کے درمیان بیٹھ کر میرا مذاق نہ اڑائے۔ کسی کی عزت کی حفاظت کرنا سیکھ لے۔ لیکن، نہیں تم سب کے لیے تو یہ ناولز پڑھنا گالی ہے اور دوسروں کا مزاق اڑانا نیکی ہے۔"

اس نے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔

"ماں! دیکھ رہی ہو نا اس کو۔"

"تمھیں کیا مسئلہ ہے؟ کرنے دو جو کرتی ہے۔"

وہ ان دونوں کی آوازوں کو پیچھے چھوڑ کر سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ دوسری منزل پر صرف دو کمرے تھے جو ایک راہداری کے دونوں سرے پر تھے۔ وہ ان میں سے ایک کمرے میں داخل ہو گئی۔ زمین پر ڈبل گدا بچھا تھا اور ساتھ ہی سنگل بیڈ۔ وہ دھپ سے بیڈ پر جا بیٹھی۔ دروازہ بند کیا لیکن مقفل نہیں۔ کھڑکی سے چھن کر آتی ہوئی روشنی کمرے پر پھیل رہی تھی۔ باہر گلی سے بچوں کے کھیلنے کی آوازیں، کسی ریڑھی والی کی ہانک صاف سنائی دے رہی تھی۔ اس نے ہاتھ میں دھری کتاب گدے میں اچھال دی۔

Clubb of Quality Content

وہ کہاں پھنس گئی تھی، کس جگہ میں رہ رہی تھی؟ کیا وہ ایسی زندگی گزار سکتی تھی۔ ایک مڈل کلاس گھرانہ لیکن انتہائی دقیانوس سوچیں۔ جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہنا کسی عذاب سے کم تھا کیا؟

اس نے اپنا موبائل فون نکالا اور اسکرین روشن کی۔

واٹس ایپ کھولا۔ آرکائیو چیٹ نکالی۔

"escape"

کے نام سے ایک کانٹیکٹ تھا۔ اس پر انگوٹھا رکھا۔ ساتھ ہی بے شمار میسیجز کی بھرمار تھی۔

"تم کہاں ہو؟

"آج پورا دن کوئی میسج نہیں؟

فیس ٹائم کیے عرصہ ہو گیا ہے"؟"

"تمھیں مجھ سے پیار ہے بھی یا پھر نہیں۔ "

"اب میسج کا جواب نہ دیا تو مجھ سے بات نہ کرنا۔ بھاڑ میں جاؤ"۔

ایک ایک کر کے وہ میسج پڑھتی گئی۔ دل میں ملال بڑھتا گیا۔ وہ اس شخص سے بات ہی کیوں کرتی تھی۔ اس میں ایسی کوئی خوبی نہیں تھی جو وہ اپنے ہمسفر میں چاہتی ہو لیکن دل تھا کہ اس کی طرف کھینچا چلا جاتا تھا۔

اس نے بمشکل ٹائپنگ کرنا شروع کی۔

"آئی ایم سوری۔ ابھی بھائی سے لڑائی ہوئی ہے۔ صبح سکول تھی۔ پورا دن مصروف رہا۔"

میسج بھیجنے کے بعد وہ کال ملانے لگی۔ گھنٹی جا رہی تھی۔

"ہیلو، تم کیسے ہو؟ آئی ایم سوری۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ رکی۔ خشک لبوں پر زبان پھیری۔ الفاظ جمع کیے۔

"میں تمھیں جواب نہیں دے سکی۔ مصروف تھی۔"

دوسری طرف سے کچھ کہا گیا تو اس کا رنگ یکدم پھیکا پڑ گیا۔ یہ وہ لڑکی نہیں تھی جو اپنے بھائی کے سامنے زبان چلا رہی تھی، جو اپنے خاندان والوں کو صلواتیں سنا رہی تھی۔ یہ کوئی اور تھی۔ دھوپ کی روشنی میں اس کا چہرہ واضح تھا۔ گہری کتھئی آنکھیں اور سانولی رنگت۔ وہ

دیکھنے میں اچھی لگتی تھی۔ لیکن اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ یوں جیسے تھک گئی ہو۔ یوں جیسے بہت بری طرح ستائی گئی ہو۔۔

"میں تم سے بات نہیں کروں گی۔ تم مجھ سے بہت بدتمیزی کرتے ہو۔ یہ سب تو مجھے گھر میں بھی مل جاتا ہے، پھر میں تمھارے پاس کیوں آؤں؟"

اس کی آنکھوں میں یکدم آنسو آ گئے۔ اس لمحے اس نے یہ نہ سوچا کہ اگر کوئی دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو جاتا تو اس کا کیا حال ہوتا۔ شاید وہ اگلے لمحے زندہ ہی نہ ہوتی۔

کیا کہا تم نے کہ اگر میں چاہوں بھی تو تمھیں چھوڑ نہیں سکتی؟" اس نے سخت بے بسی سے اس کے الفاظ دہرائے تھے۔ نمکین پانی گالوں پر بہنے لگا۔

"ٹھیک ہے، میں تم سے بات نہیں کرتی۔"

اس نے فوراً کال بند کی۔ لبوں کو سختی سے بند کیا۔ ہاں! وہ ٹھیک ہی تو کہتا تھا کہ وہ اسے چھوڑ نہیں سکتی۔ وہ ہمشہ یہی تو کہتی تھی کہ وہ اس سے دور چلی جائے گی لیکن وہ کبھی اس میں

Clubb of Quality Content

کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ وہ اس کی کمزوری سے واقف تھا۔ بہت اچھی طرح۔ اس نے بے دردی سے گال رگڑ ڈالے۔ دوپٹہ اتار کر بیڈ پر اچھالا اور اٹیچڈ باتھ میں داخل ہو گئی۔

وہ واپس آئی تو اس کا فون تھر تھرا رہا تھا۔ اسکرین پر "ڈاکٹر محرب" لکھا تھا۔ اس نے فوراً سے پیشتر کال ریسیو کی۔

"جی ڈاکٹر محرب۔"

"میں آپ کے کلینک آجاؤں؟"

اس نے ڈاکٹر محرب کا سوال دہرایا۔ چہرے پر بے چینی رینگ گئی۔

"بھائی منع کر دے گا۔ ورنہ ضرور آجاتی۔"

وہ اپنی پیشانی مسلنے لگی۔ کس دنیا میں آگئی تھی۔ کہاں پھنس گئی تھی آخر وہ۔

"آپ کیا بات کریں گی بھائی سے۔ بھائی مان جائے گا تو باقی گھر والے باتیں کریں گے۔ بھابھی، چچی، چاچو۔"

اس نے کچھ بھی راز رکھے بغیر کہہ ہی دیا۔ آرام سے گدے پر بیٹھ گئی۔

وہ فون کان سے لگائے یکدم ہنس پڑی۔

"میں آپ کو کیا کیا بتاؤں۔ آپ نہیں جانتیں یہاں کیا کچھ ہوتا ہے۔ لڑکی گھر سے باہر جا رہی ہے تو آخر جا ہی کیوں رہی ہے۔ اور سب سے مضحکہ خیز بات تو یہ ہے کہ اماں ابا کے علاوہ پورے خاندان والوں کو مسئلہ ہوتا ہے۔ خیر۔۔۔"

اس نے ہنستے ہنستے سر جھٹکا۔

"آپ بھائی سے بات کریں تو آجاتی ہوں۔ آپ گاڑی بھیج دیں۔"

کہہ کر موبائل کان سے ہٹایا۔ پھر "اسکیپ" نامی کانٹیکٹ کھولا۔

"اچھا لڑائی کو بھول جاتے ہیں۔ اب تمہیں فوراً جواب دوں گی۔ اور میں تمہیں ہمیشہ سب سے پہلے جواب دیتی ہوں بلکہ پورا دن تمہارے میسیج کا انتظار کرتی ہوں۔ آج تمہیں انتظار کرنا پڑا تو آئی ایم سوری۔"

تحریری پیغام بھیجا۔ پھر وائس ریکارڈ کرنے لگی۔

"ڈاکٹر محرب کی کال آ رہی تھی وہ کہہ رہی تھیں کی انہیں اپنے کلینک میں میری ضرورت ہے۔ اب میں جا رہی ہوں۔ وہ بھائی سے اجازت لے لیں گی۔"

میسج بھیج کر وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور کلینک جانے کے لیے تیار ہونے لگی۔ بھائی ڈاکٹر محرب کو انکار نہیں کرے گا۔ اتنا وہ جانتی تھی۔

بظاہر وہ تیار ہو رہی تھی لیکن اس کے دل میں میسج آنے کی بے چینی تھی۔ وہ تھوڑی دیر بعد ہی موبائل کھول کر آر کا ئیو چیٹ کھولنے لگتی۔ میسج دوسری طرف جا چکا تھا لیکن جواب ندارد۔ کیا وہ مصروف ہو گا؟ اس وقت وہ جم میں ہو گا، شاید اس لئے وہ جواب نہیں دے رہا تھا۔ لیکن کچھ روز پہلے اس نے انسٹاگرام میں اس کی اسٹوری دیکھی تھی، وہ جم خانے میں تصویریں کھینچ کر انسٹاگرام پر اپلوڈ کر سکتا تھا تو اس لڑکی کو جواب کیوں نہیں دے سکتا تھا جس سے محبت کا دعویٰ کرتا تھا۔ لیکن ضرور وہ مصروف ہو گا۔ اس نے خود کو تسلی دی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اُسے تب ہی جواب دے گا جب وہ چاہے گا لیکن اسے خود فوری جواب چاہیے تھا۔

وہ ٹھیک ہی تو کہتا تھا کہ وہ اسے چاہ کر بھی نہیں چھوڑ سکتی

کمرے کی در و دیوار تاسف سے اس لڑکی کو تیار ہوتے ہوئے دیکھتے رہے۔

******

رات کا سماں تھا۔ آسمان پر تاروں سے بھری سیاہ چادر تنی ہوئی تھی۔ لاہور کے ایک پوش علاقے میں داخل ہوں تو قطار در قطار خوبصورت بنگلے اپنی جگہ کھڑے ہوئے دکھائی دیں گے۔ کسی گھر کی ساری بیرونی بتیاں جلی ہوئی تھیں، اور کسی بنگلے کی بالکنی اندھیرے میں ڈوبی تھی۔ ایسے میں ایک گھر کا صدر دروازہ پار کرو تو پتھریلی روش کے دونوں اطراف میں سبز لان تھا۔

آج وہ لان برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا۔ لان کے چاروں اطراف میں پھولوں کی لڑیاں اور سنہری چھوٹی بتیوں کی تاریں اپنی روشنی بکھیر رہی تھیں۔ سبز گھاس کے وسط پر سجاوٹی میز کی سطح پر ایک لمبا کیک رکھا گیا تھا۔

Clubb of Quality Content!

اس وقت لان خالی تھا۔ سوائے دو لڑکیوں کے جو ایک کنارے میں کھڑی تصاویر بنوا رہی تھی۔

بتول نے خوبصورت میرون ڈریس پہن رکھا تھا۔ ٹخنوں کو چھوتی سلک کی میکسی کے ساتھ چوڑی دار تھا۔ دوپٹہ ندارد۔ اس وقت وہ اپنے فوٹو شوٹ میں مصروف تھی۔ اسے اپنی تصویریں کھینچ کر انسٹا گرام کے آفیشل پیج میں اپلوڈ بھی تو کرنی تھی۔

وہ سنہری روشنیوں کے گھیراؤ میں کھڑی علیزہ سے تصاویر بنوا رہی تھی۔ علیزہ ٹین ایج خوبصورت لڑکی تھی۔ گلابی شلوار قمیض کے ساتھ ہم رنگ دوپٹہ لئے وہ اچھی لگ رہی تھی۔

"آؤ ہم دونوں بھی سیلفی لیتے ہیں"

اس نے علیزہ کے ہاتھ سے موبائل لیتے ہوئے اپنے ساتھ کھڑا ہونے کا اشارہ کیا۔ وہ یکدم جھجھک گئی۔

"کیا ہوا؟ آجاؤ نا"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ علیزہ یکدم ٹھہر گئی۔ موبائل بتول کے ہاتھوں میں تھمایا۔

"آپی! میری تصویر پبلک پیج پر اپلوڈ نہیں کرنی۔"

اس نے کچھ جھجھکتے اور شرمیلے انداز میں کہہ ہی دیا۔ بتول کا رنگ فق ہوا۔ ہلتے لب ساکت ہوئے۔

"ایک مرتبہ پہلے بھی آپ نے میری پکچر اپلوڈ کی تھی تو بھائی نے مجھے ڈانٹا تھا۔"

علیزہ نے کہا اور بتول نے سنا اور بہت اچھی طرح سنا۔ لان میں ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چلنے لگے۔ بتول بمشکل اپنی جگہ کھڑی رہی۔ پھر اس نے کمال مہارت سے اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجائی۔ آنکھوں کی ناگواری کو چھپایا۔

"اٹس اوکے۔ میں نہیں اپلوڈ کروں گی۔"

اور پھر دونوں نے ایک خوبصورت سیلفی لی۔ البتہ بتول کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔ روشنیاں آنکھوں کو چبھنے لگی تھیں۔ یہاں ہر کسی کے پاس دوسرے پر بے رحم تبصرے کرنے کا اجازت نامہ تھا، کسی کے دل پر کیا گزرے، کسی کو کیا پرواہ؟

یکایک سب گھر کے اندرونی حصے سے باہر لان میں آگئے۔بتول کی ماں،فریال مغل ،سٹائلش سی خاتون تھیں۔وہ پھوپھو کے ساتھ چلتی ہوئی آرہی تھیں۔

"ارے بیٹا!کیا ضرورت تھی میری سالگرہ کرنے کی،میں کوئی چھوٹی بچی ہوں کیا؟"انھوں نے بتول کو دیکھتے ہوئے پیار سے کہا تھا۔بتول مسکرائی۔

"ضرورت تھی،آپا!بتول کے لئے ایک فنکشن ہوجائے گا۔اسے اور کیا چاہیے۔ہے نا؟"

انھوں نے بتول کی طرف دیکھتے اس کو تنگ کرنے والے انداز میں کہا۔وہ اس وقت ٹیبل کر گرد کندھے سے کندھے ملا کر کھڑی تھیں۔

"ابھی تک ڈیڈ کیوں نہیں آئے؟"

راستے میں ہیں،ان کا کوئی دوست بھی ساتھ ہے۔"

فریال مغل نے مطلع کیا۔ساتھ ہی تصویر بنانے کے لئے اپنا پوز درست کیا۔وہ تینوں مسکراتے ہوئے کیمرے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

Clubb of Quality Content

کچھ وقت گزرا تو دادا بھی نک سک سے تیار لان میں داخل ہو رہے تھے۔ سب نے مل کر فیملی تصاویر بنوائیں۔ بس حسن علی ابھی تک آفس سے نہیں آئے تھے۔ اپنے کسی دوست کے ساتھ۔۔

قریباً پندرہ منٹ بعد سب لان میں بچھی کرسیوں میں بیٹھے تھے۔ لمبی میز کے گرد قطار کی صورت میں کرسیاں تھیں۔ سربراہی کرسی پر دادا اور ان کے دائیں جانب بتول بیٹھی تھی۔ بتول کے ساتھ پھپھو اور پھوپھو کے ساتھ والی کرسی پر فریال بیگم سامنے والی کرسی پر علیزہ تھی۔ دادا کے بائیں جانب یعنی بتول کے سامنے والی کرسی خالی تھی۔ فضا میں ہلکی ہلکی خنکی کے ساتھ کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو بھی پھیلی تھی۔ ملازم کھانا سرو کر چکے تھے۔ میز پر مختلف انواع و اقسام کے کھانے سجے تھے۔ کانٹوں اور چمچ کی آوازوں کے ساتھ مرکزی دروازہ کھلا اور سیاہ رنگ کی گاڑی اندر داخل ہوئی۔ سب کے چہرے مڑے۔ حسن علی مغل اپنے دوست کے ساتھ آ چکے تھے۔ گاڑی کا دروازہ کھلا اور قریباً ساٹھ پینسٹھ کی عمر کا فرد باہر نکلا۔ آنکھیں بلکل بتول کی جیسی اور چہرے پر پروقار مسکراہٹ سجائے وہ قدم قدم چلتے لان

کے وسط میں پہنچے۔ ان کے ہمراہ ایک دراز قد نوجوان چلتا ہوا آرہا تھا۔ ان کا دوست۔ بتول نے جو نہی "ڈیڈ کے دوست" کی طرف دیکھا تو حلق تک کڑوا ہو گیا۔ یہ یہاں بھی آگیا تھا۔ اس کی روح کو سکون نہیں تھا۔

"السلام علیکم جینٹل مین۔"

اس دراز قد، خوبرو نوجوان نے سب سے پہلے دادا کو سلام کیا۔ پھر ہاتھ میں تھاما پھولوں کا گلدستہ اور ایک تحفہ پھپھو کے سامنے کیا۔

"ہیپی برتھڈے، بیوٹی فل لیڈی۔"

وہ مسکراتا تھا تو اس کی آنکھیں چھوٹی ہو جاتی تھیں۔ پھوپھو نے خوشدلی سے مسکراتے ہوئے سر کے خم سے اس کو شکریہ ادا کیا۔

آغا علی مغل نے اس کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ دادا کے بائیں جانب یعنی بتول کے عین سامنے بیٹھا تھا۔ جس کی وجہ سے حسن علی فریال مغل کے سامنے کھالی کرسی پر جا بیٹھے۔ وگرنہ وہ دادا کے ساتھ بیٹھتے۔ بتول کو شدت سے تپ چڑھی۔

"کیسے ہو برخوردار؟"

دادا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ہر کسی کی نظر اس پر تھی۔ سوائے بتول کے،وہ بہت سکون سے کانٹا چمچ ہلاتے ہوئے کھانے میں مصروف تھی۔

"میں ہمیشہ کی طرح بلکل فٹ، خوبصورت اور ہنستا مسکراتا ہوا۔ آپ سب کیسے ہیں؟"

مخاطب اس نے سب کو کیا، لیکن دیکھا محض بتول کی طرف۔

"آپ کیسی ہیں مس بتول؟"

اس نے براہ راست اس سے سوال کیا۔ سب کھانے میں مصروف ہو گئے۔ بتول نے کھانے سے ہاتھ روک کر چونک کر اسے دیکھا۔ چاند کی روشنی میں مقید بتول کا چہرہ چمک رہا تھا۔ اور آنکھیں۔۔۔۔۔وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔ ہوں لگتا تھا سرمئی غار کے ایک سرے سے سنہری روشنی پھوٹ رہی ہو۔

"ویسے ڈیڈ!"

اس نے گال تلے ہتھیلی رکھ کر آبان احمد کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے حسن علی کو مخاطب کیا۔ انھوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر سوالیہ انداز میں ابرو اچکائے۔

"آپ کا کوئی دوست آرہا تھا، آپ کے ساتھ۔۔ کہاں ہیں وہ؟ نظر نہیں آرہے۔"

کہہ کر پھر سے کھانے لگی۔ ماحول میں آکورڈ سی خاموشی پھیل گئی۔

"میں اتنا بڑا دوست نظر نہیں آرہا کیا آپکو؟"

حسن علی جواب دینے لگے تھے لیکن آبان کے کہتے ہی خاموش ہو گئے اور اس کا چہرہ مارے افسوس کے کھل ہی تو گیا تھا۔ مطلب ایک محفل میں بیٹھتے ہوئے اسے نظر انداز کیا جائے تو افسوس ہو اس پر جو ایسا کرے۔

بہت ہی کوئی دیدہ دلیر شخص تھا، اس کی نظریں بتول پر ٹکی تھیں اور بتول نے اپنے سامنے بیٹھے شخص کو نظر اٹھا کر دیکھا تک نہیں تھا۔۔ بتول نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا پھر آغا علی کی طرف دیکھا۔

"ویسے دادا! اب میری نظر اتنی بھی کوئی فالتو نہیں ہے جو ہر ایرے غیرے کی طرف اٹھے۔

ہے نا؟"

دادا نے میز کے نیچے سے اس کے پاؤں پر پاؤں رکھا اور اس کو خاموش رہنے کے لئے کہا۔

وہ بتول اور آبان کی نوک جھوک کے بارے میں اچھی طرح باعلم تھے۔

وہاں بیٹھی علیزہ اور پھپھو نے امڈتی مسکراہٹ زبردستی دبائی۔ ابان کی مسکراہٹ غائب

ہو گئی۔ البتہ ڈیڈ کی پیشانی پر بل پڑے تھے۔ فریال مغل نے ناگواری سے اپنی بیٹی کی طرف

دیکھا۔ گھر آئے مہمان کے ساتھ کوئی ایسا کرتا ہے؟

"لیکن اس پورے پاکستان کی نظریں ضرور فالتو ہیں جو تم پر اٹھتی ہیں اور تمھیں باآسانی دیکھ

سکتی ہیں۔"

لان کی فضا میں ابھرتی زہر خند لہجے میں کہی گئی حسن علی آغا کے الفاظ کہیں ٹھہر گئے۔ بتول کا

رنگ پھیکا پڑا۔ اس نے چبھتی ہوئی نظروں کے ساتھ اپنے سامنے بیٹھے ابان احمد کو دیکھا۔ وہ

خاموشی سے سر جھکائے اپنے لئے کھانا نکالنے لگا۔

اگر بتول کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ابان اپنے دفاع میں کہے گئے اس جواب پر ضرور خوش ہوتا، لیکن نہ جانے کیوں اسے حسن علی کی یہ بات بلکل اچھی نہ لگی تھی۔ بتول ہنوز اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پرکشش نقوش، کھڑا ناک اور سیاہ آنکھیں۔ بھورے بال سلیقے سے سیٹ کئے تھے لیکن کچھ ماتھے پر بھی بکھرے تھے۔ ورزشی جسم، چوڑے کندھے۔ وہ سیاہ رنگ کے ڈنر سوٹ میں ملبوس پرکشش لگتا تھا۔ آنکھوں کو بھا جانے والا۔ ایک نظر دیکھ لو تو نظر ٹھہر جائے۔

"اور تم گھر کب آئی تھی؟ بتول۔ میں نے کتنی مرتبہ کہا ہے کہ جب بھی گھر آؤ، مجھے فوراً کال کر دیا کرو۔"

وہ کمر کرسی کے ساتھ لگائے، ہاتھوں کو باہم پیوست کئے، سخت نظروں سے تفتیشی انداز میں اسے دیکھ رہے تھے۔ فضا میں ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ اب بتول نبٹ لے اپنے باپ سے۔ وہ اس وقت آبیل مجھے مار کے مصداق بیٹھی تھی۔

"جیسے ہی آپ نے کال کی تھی فوراً آ گئی تھی۔"

وہ چہرہ جھکا گئی۔ پلیٹ میں چمچ اور کانٹا گھمانے لگی۔ لیکن کھا کچھ نہیں رہی تھی۔ ساری بھوک ختم ہو گئی تھی۔

"اور مجھے بتا کر جایا کرو۔۔۔کتنی مرتبہ کہا ہے میں نے؟"

بتول نے مدد طلب نظروں سے دادا کی طرف دیکھا۔ سب ہاتھ سے کھانا روکے اسکی طرف دیکھ رہے تھے۔ ابان احمد بھی۔ اس کا جی چاہا کہ زمین پھٹ جانے اور وہ اس میں سما جائے۔

"بولنے دو۔۔۔۔تم خاموشی سے جواب دو۔ اب تو تمھیں عادت ہو جانی چاہیے۔"

ہلکی آواز میں کہا گیا جملہ صرف پاس بیٹھے بتول اور ابان ہی سن سکے تھے۔

"یہ آپ دونوں کیا بات کر رہے ہیں۔ اور ابا آپ نے ہی اسے بگار رکھا ہے۔ میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں، بتول۔"

اب تو زمین کو پھٹ جانا چاہئیے اور اسے اس میں سماں جانا چاہئیے تھا۔ اسے بے اختیار سبکی محسوس ہوئی۔ وہ چہرہ جھکائے بیٹھی رہی۔ ماحول میں یکدم ہی گہرا کھنچاؤ پھیل گیا تھا۔ ڈیڈ

کہیں بھی شروع ہو جاتے تھے۔ وہ کم از کم موقع کی نزاکت اور پاس بیٹھے مہمان کا ہی خیال کر لیتے۔

"میں تم سے۔۔۔"

"اٹس اوکے انکل۔ اگلی مرتبہ باہر جائے گی تو بتا کر جائے گی۔ اوکے بتول؟"

اور یہاں حسن علی شانت ہو گئے۔ وہ سر جھٹکتے ہوئے پھر سے کھانے میں مصروف ہو گئے۔

سب نے سکوں کی سانس لی اور بتول سامنے بیٹھے شخص کو شدید بری نظروں اور حقارت سے دیکھتی رہی۔ حسن علی مغل بتول کے ڈیڈ تھے، لیکن سنتے وہ ابان کی تھے۔

"تم کچھ کھا کیوں نہیں رہی، بتول؟"

پھپھو نے اس کے کھانے کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ پھر کندھے اچکا دیئے۔ اس کے چہرے کی رنگت یکدم ہی بدل گئی تھی۔

مہمان کھا رہا ہے نا۔ مجھے کیا ضرورت ہے؟"

Clubb of Quality Content

اس نے سامنے پڑی پلیٹ کھسکادی۔ اور ابان احمد کے سامنے رکھی۔ وہ بنا کسے تاثر کے بیٹھا رہا۔

پھر وہ دادا کی طرف گھومی۔ اپنی آواز اتنی اونچی رکھی کہ ابان سن لے،اور اتنی آہستہ رکھی کہ اسکے علاوہ کوئی نہ سنے۔

"جب صرف فیملی ڈنر تھا تو کوئی باہر کا فرد کیوں آیا۔"

دادا نے کھانے سے ہاتھ روک کر اسکی طرف دیکھا۔ پھر بتول کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ اور آنکھوں سے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

بتول کن اکھیوں سے دیکھ سکتی تھی کہ ابان احمد کے چلتے ہاتھ لمحے بھر کے لیے رکے تھے۔

اس نے ذرا سی نظر اٹھا کر بتول کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نظریں ایک ہوئیں۔ آسمان میں چمکتے چاند کی روشنی نے دونوں کو اپنی لپیٹ میں لیا۔ اور وہ دونوں چاندنی کا مجسمہ بن گئے۔

"کیا فیملی ڈنر میں کسی باہر کا آنا لازمی ہے؟ پھر چاہے وہ ڈیڈ کا مہمان ہی کیوں نہ ہو۔"

اتنا کہا اور بے دلی سے رخ پھیر لیا۔ سارا موڈ غارت ہو گیا تھا۔ کیا اس لئے اس نے یہ ڈنر ارینج کروایا تھا، ساری تیاری کی تھی تا کہ آخر میں وہ خود ہی ذلیل ہو جائے۔

"میں جا رہی ہوں۔ تھک گئی ہوں"

وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ ملامتی نظروں سے ابان کو دیکھا۔ وہ چہرہ اٹھائے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ابھی تو تم نے کھانا بھی نہیں کھایا۔"

فریال مغل فوراً بول اٹھیں۔ ساتھ ہی خفا نظروں سے اپنے سامنے بیٹھے حسن علی کو دیکھا۔ کیا ضرورت تھی اس وقت اس سے باز پرس کرنے کی؟ یہ سب گھر کے اندر جا کر بھی ہو سکتا تھا۔

"ڈیڈ کے دوست کو کھلائیں۔ مجھے کیا ضرورت ہے؟"

اتنا کہا اور وہاں سے چلی گئی۔

"جانے دیں اسے۔ مت روکیں۔"

یہ آخری الفاظ تھے جو اس نے ڈیڈ کے منہ سے سنے تھے۔ لیکن وہ رکی نہیں، چلتی رہی۔ آنکھوں میں نمی چمکی اور اس مرتبہ اس نے آنسوؤں کو روکا نہیں۔ انھیں گال میں پھسلنے دیا۔

ڈیڈ ایسا ہی کرتے تھے۔ ہمیشہ۔ ہر وقت۔ اور اس بدتمیز، کھڑوس ابان کے سامنے بھی وہ اسے ڈانٹنے سے باز نہیں رہتے تھے۔

لاونج میں داخل ہوئی تو وہ خاموشی میں ڈوبا تھا۔

وہ گرنے والے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی۔ آج کا دن ہی خراب تھا۔ پہلے عبداللہ کے آنے کی خبر، پھر یہ ڈنر۔ کچھ بھی اچھا نہ تھا۔

اور اوپر سے سوچیں تھیں کہ آتی تھیں تو ذہن سے چمٹ جاتی تھیں، ٹھہر جاتی تھیں، ایک بلا سے کئی بلائیں بن جاتی تھیں۔ لیکن پیچھا نہیں چھوڑتی تھیں۔ وہ کرے تو کیا کرے، جائے تو کہاں جائے؟

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

جس پہر مغل خاندان ایک فیملی ڈنر میں مصروف تھا، اسی وقت اسی علاقے میں موجود ایک کلینک کے اندر خاموشی چھائی تھی۔

شیشے کے دروازے کو دھکیل کر اندر داخل ہو تو دو لڑکیاں اندر بیٹھی دکھائی دیں گی۔ چاروں جانب دبیز پردے لٹکے تھے۔ پاور چئیر پر ایک خوبصورت لڑکی سیاہ حجاب لئے مسکراتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی۔ اس کے سامنے وہی سانولی رنگت اور خوبصورت نقوش والی لڑکی تھی۔ آفس میں گلاب کے پتیوں کی خوشبو پھیلی تھی۔

"تو آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ آپ کو کلینک میں میری ضرورت نہیں تھی، آپ نے بس یونہی بلا لیا۔"

اس نے خفا نظروں سے سامنے دیکھا۔ وہ سادہ شلوار قمیض کے ساتھ ہم رنگ اسکارف پہنے ہوئے تھی۔ اس کے چہرے پر بے چینی پھیلی تھی۔ وہ بار بار اپنا ہاتھ پرس میں موجود موبائل تک لے کر جاتی اور پھر روک لیتی۔ اس لڑکے کا جواب ابھی تک نہیں آیا تھا۔ کیا

اس نے پیغام سن لیا ہو گا؟ کیا اس نے جواب دے دیا ہو گا؟۔ کمرے میں اے سی کی ٹھنڈک پھیلی تھی۔

"ہاں! کیونکہ مجھے تم سے ضروری بات کرنی تھی۔ بہت ضروری۔ ارسا؟"

ڈاک محرب تیس کے ہندسے کو چھوتی خوبصورت لڑکی تھی۔ اس نے سیاہ شلوار قمیض کے اوپر سفید حجاب لے رکھا تھا۔

"کیسی ضروری بات؟"

"مجھے نہیں تمھیں ضرورت ہے مجھ سے بات کرنے کی۔ کیا نہیں ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"میں تم سے روز سکول میں ملتی ہوں۔ اکثر تم بے دھیانی سے کسی ٹیچر کی بات سن رہی ہوتی ہوں۔ تمھارا سارا فوکس موبائل پر ہوتا ہے۔ تم کلاس میں بھی بار بار اپنا موبائل کھولتی اور بند کرتی ہو۔ تم ہمیشہ کسی نہ کسی بے چینی میں مبتلا ہوتی ہو۔ میں تھیراپسٹ ہوں، میرے

Clubb of Quality Content

لئے چہرے پڑھنا مشکل کام نہیں ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم۔۔۔ تم خود مجھ سے بات

کرو۔"

وہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔ ارسال کی آنکھوں پتلیاں ساکت ہو گئیں۔ اس نے سختی سے

آنکھیں میچ لیں۔

Vulnerable کیا وہ اتنی

تھی؟

"میں تمھیں جج نہیں کروں گی۔ مجھے بس ایک بات بتاؤ۔ کیا تم اس سب سے جان چھڑوانا

چاہتی ہو؟"

نولز کلب
Clubb of Quality Content!

ان کے لہجے میں محض ہمدردی تھی۔ آنکھوں میں شفافیت تھی۔

کمرے کا درجہ حرارت نارمل تھا لیکن ارسا کو محسوس ہوا کہ اسکی ہڈیاں جم جائیں گی۔

اس نے گہرا سانس بھرا۔ پرس اپنی ساتھ پڑی کرسی پر رکھا۔ چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ ایک

لمحے کا فیصلہ تھا، ایک لمحے میں ہو گیا۔

"میں۔۔۔میں اس سب سے جان چھڑوانا چاہتی ہوں۔۔میں آزادی چاہتی ہوں۔میں کسی انسان کی قید میں نہیں رہنا چاہتی۔"

اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے تھے۔لب کپکپانے لگے تھے۔

"میں۔۔۔خود کو آزاد کرنا چاہتی ہوں۔میں ایسا نہیں چاہتی، جو ہو رہا ہے۔وہ تو بلکل نہیں۔"

اس نے چہرہ جھکایا۔انگلیاں مروڑنے لگی۔ٹانگیں ہولے ہولے لرز رہی تھیں۔

"یہ سب کب شروع ہوا تھا؟"

ڈاکٹر محرب نے سامنے پڑا کافی کا مگ لبوں سے لگایا۔گھونٹ بھرا اور پھر واپس رکھ دیا۔

"ایک سال پہلے۔"

وہ ہنوز اپنی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔لب کاٹ رہی تھی۔

"یہ سب کیسے شروع ہوا تھا۔"

وہ خاموش ہو گئی۔کچھ نہ کہا۔سوال تھا لیکن جواب نہ تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میرے۔۔۔۔ میرے یونیورسٹی کے ایگزام ہو رہے تھے۔ تب۔۔۔۔ہاں شاید۔"

وہ کہتے ساتھ ہی خاموش ہو گئی۔ دل ڈوب کر ابھرا۔ لیکن وہ جبر کیے مضبوطی سے اپنی جگہ بیٹھی رہی۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اور سامنے بیٹھی رہی۔ ڈاکٹر محرب سہولت سے بیٹھی اس سے سوال جواب کر رہی تھیں۔

کسی کا دل کٹ کر رہ جاتا اور کسی کا کچھ نہیں جاتا۔ کوئی زندگی اور موت کی کشمکش میں ہوتا ہے، اور کسی کو نئی زندگی مل رہی ہوتی ہے۔ ہم سب انسان ایک جیسے ہو کر بھی مختلف ہیں۔ اور ہم سب مختلف ہو کر بھی ایک جیسے ہیں۔

"تب کیا ہوا تھا؟ ارسا۔۔۔ وقت میں پیچھے جاؤ۔ تب زندگی میں کیا چل رہا تھا؟"

وہ بات بار اضطرابی انداز میں اُنگلیاں مروڑ رہی تھی۔

"میں۔۔۔۔ میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔۔۔۔ میں پورا دن اس کے میسج کا انتظار کرتی ہوں اور وہ۔۔۔ وہ مجھے جواب نہیں

ناولز کلب
Clubb for Quality Content!

دیتا۔وہ انسٹا گرام میں اپنی پکچر اپلوڈ کر دے گا۔۔وہ میری اسٹوریز بھی دیکھ لے گا۔۔لیکن وہ اپنے وقت پر مجھے جواب دے گا۔"

ایک ہی سانس میں کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔ تنفس پھول گیا۔فضا میں گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔سانس سینے میں مقید ہو رہی تھی۔۔۔۔

"میں نے تم سے یہ نہیں پوچھا۔۔میں نے پوچھا ہے کہ یہ سب کیسے شروع ہوا تھا۔"

وہ خاموش ہو گئی۔اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

"تب میرے ایگزام ہو رہے تھے۔"

"میرے سوال کا جواب یہ بھی نہیں ہے۔ارسا،یہ سب کیسے شروع ہوا تھا۔"

اس کو سوال کی سمجھ اب بھی نہیں آئی تھی۔

"گہرے سانس لو۔۔۔آنکھیں بند کرو۔۔۔اور سوچو۔"

اس نے وہی کیا۔۔اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ گہرے گہرے سانس لئے۔آنکھیں بند کرتے ہی اندھیرا چھا گیا۔۔تب کیا ہوا تھا؟تب ایگزام ہو رہے تھے۔۔۔۔وہ بہت

مصروف تھی۔۔۔اس کے پاس سر اٹھانے کی فرصت نہ تھی۔ پھر اس نے ایک رشتے کی بنیاد کیسے رکھی۔ وہ ایک ریلیشن شپ میں کیسے بندھ گئی۔ وہ تو بہت۔۔۔ مصروف تھی۔

اس نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولیں۔۔۔ مصروفیت۔۔ہاں!یہ سب مصروفیت میں شروع ہوا تھا۔

"یہ۔سب تب شروع ہوا جب میں مصروف تھی۔یہ سب مصروفیت میں شروع ہوا۔" اس نے ایک ہی سانس میں کہہ دیا۔ سامنے بیٹھی عورت فاتحانہ انداز میں مسکرائی۔

"ہاں!یہ سب تب شروع ہوا جب تم مصروف تھی۔"

وہ رکی۔ لمحے بھر کا توقف۔ آفس میں اس وقت محض زرکار کی روشنی پھیلی تھی۔ نیم اندھیرا تھا۔ کھڑکی کے باہر سرمئی آسمان دھیرے دھیرے گہرا ہو رہا تھا۔

"کیا تم آزاد ہونا چاہتی ہو؟ کیا تم چاہتی ہو کہ تم اس چیز سے بے نیاز ہو جاؤ کہ وہ تمھیں جواب دے یا نہ دے، تمھیں اس بات سے کوئی فرق نہ پڑے؟"

محرب پوچھ رہی تھی اور ارسل، گیلی آنکھوں کے ساتھ سر اثبات میں ہلایا۔ البتہ دل میں بے چینی تھی، کیا اس نے جواب دے دیا ہو گا؟ وہ اس وقت کیا کر رہا ہو گا۔

"تمھیں اس سے محبت ہے۔ یہ کیسے پتہ چلا؟"

ارسا دھیرے دھیرے اپنے پاؤں جھلانے لگی۔ بعض سوالوں کے جواب کتنے تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ جواب دینا چاہو تو بھی دے نہیں پاتے۔

"ایک روز مجھے انجان نمبر سے میسج آیا۔ میں نے اگنور کیا۔ دو تین روز تک ایسا ہی ہوتا رہا۔"

وہ چہرے جھکائے، لب کاٹتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اپنا دل کاٹ کر بولنا کسی کے لئے آسان نہیں ہوتا۔

"پھر میں نے سوچا کہ جواب دے دیتی ہوں۔ میں نہیں جانتی کہ میں نے اس نمبر کو بلاک کیوں نہیں کیا۔ اب مجھے لگتا ہے نمبر بلاک کرنا کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتا۔ نمبر بلاک کرنا تب ہی فائدے مند ہو سکتا ہے جب وہ شخص دل سے بلاک ہو جائے۔ اور اگر کوئی شخص دل

سے بلاک ہو جائے تو پھر اس کا نمبر بلاک کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ وہ سامنے ہو تو بھی نظر نہیں آتا۔ خیر"

وہ استہزائیہ انداز میں ہنسنے لگی۔ ڈاکٹر محرب اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھیں۔ اس کے کانپتے لب، اضطراب کا شکار انگلیاں، چہرے کا اتار چڑھاؤ۔ سب کچھ۔

"میں نے اسے جواب دے دیا۔ بس تب سے ہی۔۔۔ تب سے ہی یہ سب شروع ہوا۔"

"تمھیں اس میں سب سے اچھا کیا لگتا ہے؟"

"پتہ نہیں۔۔۔ مجھے بس یہ لگتا ہے کہ میں اس کے بغیر رہ نہیں سکتی۔۔۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میری بات غور سے سنو۔"

وہ انگلیوں کو باہم پیوست کئے ذرا آگے کو ہوئیں۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ وہ جانتی تھیں کہ اب جو وہ کہنے لگی تھیں، وہ ارسا کے لئے سننا آساں نہیں ہو گا۔ وہ کسی کے لئے سننا آسان نہیں ہوتا۔

"تمھیں۔۔۔ اس۔۔۔ سے۔۔۔ محبت۔۔۔ نہیں۔۔۔ ہے۔"

ایک ایک لفظ توڑ کر جواب دیا۔ ارسا کا چہرہ فق ہوا۔ وہ یہ کیا کہہ رہی تھیں؟ وہ ایسا کیسے کہہ سکتی تھیں۔

"یہ محبت نہیں ہوتی۔ یہ

Infatuation

ہوتی ہے۔"

"تم اس کیفیت کا شکار ہو۔ تم آبسیشن کا شکار ہو۔۔۔۔"

"آپ ایسا کیسے کہہ سکتی ہیں؟ آپ میرے جزبات اور محسوسات کی نفی کیسے کر سکتی ہیں۔"

اس کے لہجے میں گہرا کرب اور صدمہ تھا۔

"مجھے اس سے محبت ہے۔۔۔ بس۔۔۔ اور میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔۔۔ وہ مجھے مل جائیگا تو میں اس قید سے آزاد ہو جاؤں گی۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ پرس دبوچا۔ موبائل کھنگالا۔ اور بھائی کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

"ارسا۔۔۔۔ میری بات۔۔۔"

"مجھے کوئی تھیراپی نہیں چاہیے۔ میں دماغی مریضہ نہیں ہوں۔"

اس کی آنکھوں سے نکلے آنسو گال پر بہہ گئے۔ وہ ٹھیک تھی۔ وہ بلکل ٹھیک تھی۔ وہ دماغی مریضہ نہیں تھی۔ محبت کرنا بیماری نہیں ہے۔ وہ آزاد نہیں ہونا چاہتی تھی۔ وہ اس کی محبت میں قید ہی رہنا چاہتی تھی۔ وہ جس کیفیت میں تھی وہ اس کائنات کا سب سے پر سرور جزبہ تھا۔ نہیں۔ وہ اس سے فرار نہیں ہونا چاہتی تھی۔

وہ شیشے کا دروازہ دھکیلتے ہوئے باہر ریسیپشن میں پڑے سنگل صوفے پر جا بیٹھی۔

بھائی کال نہیں اٹھا رہا تھا۔ گھنٹی جا رہی تھی لیکن جواب ندارد۔

"میں تمھیں گھر بھجوا دوں گی۔ ریلیکس کرو، زرسا۔ اٹس اوکے۔ تم بلکل ٹھیک ہو۔"

ڈاکٹر محرب اس کے پہلو میں بیٹھی اس کی پشت سہلانے لگی۔

"میں بیمار نہیں ہوں"

ارسا نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ تسلی مانگنی چاہئے۔ پورا جسم کانپنے لگا تھا۔ یوں لگتا تھا دل کسی گہری کھائی میں ڈوب گیا ہو۔ وہ اس شخص سے محبت نہیں کرتی تھی، کوئی اسے ایسا کیسے کہہ سکتا تھا۔ جس شخص کے لئے وہ دن رات بے چین رہتی تھی، اس کی طرف سے آنے والا پیغام اس کو سولی پر لٹکا کر رکھتا تھا، وہ اسکی لگائی گئی ایک اسٹوری چوبیس گھنٹوں میں چوبیس مرتبہ دیکھ لیتی تھی۔ اپنا واٹس ایپ اباوٹ اور اسٹیٹس اس شخص کو ذہن میں رکھ کر لگاتی تھی، اپنی پروفائل پکچر یہ سوچ کر لگاتی تھی کہ وہ بھی اس کی تصویر دیکھے گا۔ کیا یہ محبت نہ تھی؟ ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔

"تم بیمار نہیں ہو۔ تم ٹھیک ہو۔"

تسلی دے دی گئی۔ ڈاکٹر محرب ایک آئینہ تھی۔ لیکن وہ آئینہ نہیں جس سے چہرے کے ظاہری خدوخال دکھائی دیتے ہیں۔ یہ وہ آئینہ تھی جس پر انسان کے دل کا عکس دکھائی دے۔ رگوں میں دوڑتا ہوا خون واضح ہو۔ اور اپنے دل میں جھانک کر اپنا چہرہ دیکھنا بہت کرب ناک ہوتا ہے۔ کیونکہ حقیقت کا تھپڑ بے شک ضروری ہو لیکن بہت تکلیف دہ ہوتا

ہے۔ ارسا کے لئے بھی تھا۔ وہ اپنے اندر نہیں جھانک سکتی تھی۔ ابھی نہیں۔ وہ جس دھوکے میں تھی اس میں ہی رہنا چاہتی تھی۔ وہ جس سیراب کے پیچھے بھاگ رہی تھی، اس کے پیچھے بھاگنا چاہتی تھی۔

....

زندگی "جینا" ایک فن ہے۔ اور اس دنیا موجود ہر انسان کو یہ فن نہیں آتا۔

انسان کا دل ٹوٹتا ہے تو وہ زندگی گزارنے کے کئی نئے فن سیکھ لیتا ہے۔ ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ زندگی جینا آسان نہیں ہے لیکن ضروری ہے۔ انسان سے زیادہ عقل مند مخلوق کوئی نہیں ہے۔ وہ اپنے لئے جینے کے طریقے ڈھونڈ لیتا ہے، سروائیول کے گر سیکھ لیتا ہے۔ کہیں نہ کہیں سے، کسی نہ کسی طرح۔

ایسے ہی مغل خاندان کا ہر فرد ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ زندگی جی رہا تھا۔

Clubb of Quality Content

آغا علی مغل، جن کے اکلوتے بیٹے حسن علی مغل اور فریال مغل کا اکلوتا بیٹا شاہمیر مغل ایک حادثے میں اپنی جان گنوا بیٹھا تھا۔ ہم اس بارے میں تفصیل جانیں گے لیکن ابھی نہیں۔

آغا علی مغل کی بیٹی، جہاں آرا مغل کی بیٹی نے اپنی جان خود لے لی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے پیار میں جان دی تھی۔

اس بھیانک دن میں دو جنازے ایک خاندان سے اٹھائے گئے تھے۔

آغا علی نے اپنی بیٹی کی بگڑتی ہوئی حالت کے پیشِ نظر اسے زبردستی اپنے گھر شفٹ کیا تھا۔

عبداللہ، علیزہ اور جہاں آرا مغل اپنے خاندان کے ایک فرد کی موت کے بعد یہاں آگئے تھے۔

پھر وقت گزرتا رہا۔ ادھڑے زخم مندمل تو نہ ہو سکے لیکن ان کے ساتھ جینا آگیا۔ انسانوں کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی راستہ بھی تو نہیں ہوتا۔

ہر کسی نے اپنے لئے کوئی نہ کوئی راہ فرار ڈھونڈ لی۔

عبداللہ بیچلرز کر کے یورپ چلا گیا۔

بتول نے اپنا دل انسٹا گرام انفلیونسنگ میں لگایا،اس نے یونیورسٹی کی تعلیم کے دوران ہی اپنا پرسنل بلاگ شروع کیا تھا۔

علیزہ کالج میں جاتی ٹین ایج لڑکی تھی۔

زندگی چل رہی تھی، ٹھیک یا نہیں،بس اپنی ڈگر پر تھی۔

اور پھر وہ دن آیا جب عبداللہ یورپ سے پاکستان آ گیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اگر پاکستان کی سرسبز زمین کو پیچھے چھوڑ کر،ایک ہوائی سفر طے کرتے ہوئے،مغربی دنیا میں داخل ہوں تو حیرت کے مارے منہ کھل جائے۔یہاں کا لباس، ثقافت،بے تکلفی،کسی بھی مشرقی انسان کو پہلی نظر میں حیران ضرور کرے۔لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یا تو انسان اسی ثقافت میں ڈھل جائے گا،یا پھر اپنی حدود طے کر کے اس سے کوسوں دور رہے گا۔

ہماری کہانی کو مشرقی دنیا کی ثقافت جاننے کی ضرورت نہیں اس لئے ہم اس لمحے سپین کے مشہور شہر بارسلونا کے ایک خوبصورت سمندر کے عرشے پر کھڑے شخص کو ذرا قریب سے جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

رات کی تاریکی ہر سو پھیلی تھی۔ لیکن مکمل تاریکی نہیں۔ ارد گرد بلند و بالا عمارتیں پوری شان سے کھڑی تھیں۔ پانی کی لہروں پر مختلف رنگوں کا عکس جھلملا رہا تھا۔ شہر کی روشنیاں رات کو مکمل تاریک ہونے سے روکے ہوئی تھیں۔

ایک نوجوان لڑکا بھورے رنگ کا کوٹ پہنے، پاؤں کو قینچی کی صورت میں موڑے کھڑا تھا۔ ہاتھوں میں دستانے تھے، گلے میں مفلر لپیٹا تھا۔ وہ خاموشی سے بہتے ہوئے پانی کو دیکھ رہا تھا، سکون کو محسوس کر رہا تھا۔ اس کا چہرہ جھکا ہوا تھا سو اسکے خدوخال واضح نہ تھے۔

کچھ دیر گزری تو ایک انگریز لڑکی اس سے کچھ فاصلے پر آکھڑی ہوئی۔ لڑکے نے چہرہ نہ موڑا۔

"ون نائٹ؟"

لڑکی نے بہت ہی دھیمے اور دلکش آواز میں کہا تھا۔

لڑکے نے فوراً چہرہ موڑا۔ آنکھوں میں ہمیشہ کی طرح ناگواری امڈ آئی، لیکن وہ حیران نہ ہوا تھا۔ پچھلے گزرے چار سالوں میں اس کو یہ پیش کش کتنی مرتبہ ہوئی تھی، وہ گننا چاہے تو گنتی بھول جائے۔

یورپ میں کالے بال، کالی آنکھیں اور مشرقی خدوخال وہاں کی لڑکیوں کے لئے سم قاتل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہاں تقریباً ہر مشرقی نوجوان "ہینڈسم سٹرینجر" یعنی خوش شکل اجنبی کا خطاب پا جاتے ہیں۔ وہاں کھڑا لڑکا بھی انھی مشرقی لڑکوں کی طرح یہ لفظ اپنے لئے بہت مرتبہ سن چکا تھا۔ اور وہ تو ویسے بھی مشرقی وجاہت کا بھرپور نمونہ تھا۔ سیاہ بھورآنکھیں، پل بھر میں مسکرا دینے والی اور اداس ہو جانے والی، ستواں ناک اور ماتھے پر بکھرے بال۔

البتہ! اتنا عرصہ یورپ میں رہ کر بھی اس نے اپنی وجاہت کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔

"نو۔ آئم سوری"

اتنا کہا اور وہاں سے کچھ دور جا کر کھڑا ہو گیا۔

ٹی شرٹ اور پینٹ میں ملبوس، سرخ بالوں والی لڑکی اس کے پیچھے چل دی۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ بھورا لمبا کوٹ پہنے لڑکے کے بال اڑ کر ماتھے پر بکھر رہے تھے۔

"حسن ہو تو نزاکت آ ہی جاتی ہے۔ لیکن اتنی نزاکت؟"

لڑکی نے اپنے بال جھٹکتے ہوئے شستہ انگریزی زبان میں کہا تھا۔

"آئی ایم مسلم۔"

اب کے اس نے انتہائی غصے سے کہا۔

"صرف ایک رات کی بات کی ہے۔ مسلم ہو یا پھر غیر مسلم یہ کس نے پوچھا ہے؟"

پانی کی لہریں دونوں کے پاؤں کو بھگوتی ہوئی پلٹ جاتی تھیں۔ فضا میں ہلکی ہلکی خنکی تھی۔

"میں کل واپس جا رہا ہوں۔ اپنے ملک پاکستان۔"

لڑکا ہنوز سامنے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایک نظر اٹھا کر بھی اپنے ساتھ کھڑی انگریز لڑکی کو دیکھا نہ تھا۔ دونوں کے بال ہوا کی دوش پر لہرا رہے تھے۔

"پاکستان۔ وہاں کون ہے؟"

وہ لڑکی اداسی سے بولی۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ اسے روز یہاں آنے کا کہے گی۔ اگر وہ نہ مانا تو وہ اس کے پیچھے تو جا سکتی تھی۔ اگر اس نے اپنے قریب آنے کی اجازت نہ دی تو وہ محض باتوں سے تو کام چلا سکتی تھی۔ اسے حقیقتاً افسوس ہوا تھا۔ یہ اکھڑ اور غیر دوستانہ رویہ رکھنے والا لڑکا واقعی اسے اچھا لگا تھا۔

وہاں میری ماں اور بہن ہیں"۔

یہ کہتے ہوئے اس کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

"اور۔۔ اور کون ہے؟"

سرخ بالوں والی لڑکی نے پوچھا۔ اس کی نظریں ہنوز اپنے نزدیک کھڑے خوبصورت چہرے پر ٹکی تھیں۔

"اور؟"

"ہاں"

لڑکے نے اپنی جیب سے اپنا موبائل بر آمد کیا۔ سکرین روشن کی تو آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ وال پیپر پر اس کی اور ایک لڑکی کی تصویر تھی۔

"یہ تمہاری۔۔۔"

"بہن ہے اینڈ شی از ڈیڈ۔"

اس نے فوراً سے پیشتر لڑکی کی بات کاٹی۔ اس کے لب اوہ میں سکڑے۔ وہ کچھ کہنے لگی تھی، شاید افسوس کا اظہار لیکن اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے خاموش کروادیا۔

"اٹس اوکے۔"

لڑکی کی آنکھوں کی جوت ماند پڑ گئی لیکن اس نے ہمت نہ ہاری۔

"تم نے بتایا نہیں کہ وہاں اور کون ہے تمہارا"

اس نے اپنا سوال دہرایا۔ بارسلونا کہ فضا یکدم بوجھل ہو گئی تھی۔ لڑ کا اس سوال پر پھر سے خاموش ہو گیا۔ اس نے اپنی پیشانی مسلی۔ ماتھے پر بکھرے بالوں کو پیچھے کیا۔ اور پھر بہت ہی مدھم آواز میں اس نے کہہ ڈالا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"وہاں میری منگیتر ہے نا۔"

چلتی ہواؤں نے اس کے منہ سے نکلے الفاظ سنے اور اپنے اندر جذب کر لئے۔

"اوہ"

اب کے اس کو شدید حیرت ہوئی تھی۔ پہلے سے بھی زیادہ۔

"You're not single. Right?"

لڑکی نے سرخ بالوں کی لٹیں کان کے پیچھے اڑسیں۔ ہاتھ باندھ کر سینے پر رکھے۔

وہ جواب طلب نظروں سے لڑکے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں"

" I'm not supposed to answer you. Right?"

اب کے اس نے چہرہ موڑ کر لڑکی کی طرف دیکھا۔ عجیب لڑکی تھی۔ پیچھے ہی پڑ گئی تھی۔

" So, You're not single"

یا تو لڑکی کو اپنی جان نہیں پیاری تھی، یا عزت۔ اس کی ہمت تھی کہ ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

لڑکے نے سوچا کہ جواب دے دینا چاہیے شاید بلا ٹل جائے کیونکہ اس کا بھی یہاں سے جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ کچھ دیر یہاں ٹھہرنا چاہتا تھا۔

"Wrong. I'm single."

اس نے اپنا بایاں ہاتھ آنکھوں کے سامنے کیا۔ وہاں درمیانی انگلی میں چھوٹے سے سبز نگینے کی انگلی تھی۔

"So, you're not taken. Right?"

"Wrong. I'm taken as well."

اف۔ اب تو لڑکی شدید ششش و پنج کا شکار ہو گئی تھی۔ وہ گال تلے دو انگلیاں رکھے مشکوک انداز میں ساتھ کھڑے لڑکے کو دیکھنے لگی۔

"لیکن۔۔۔"

My relationship status is not your problem,girl. You can go “

اس کو شدید بے زاری ہوئی۔ سمندر کا پانی اس کے سیاہ بوٹ گیلے کر کے پلٹ جاتا تھا۔ روشنیاں اس پر اپنا عکس چھوڑ کر ماند پڑ جاتی تھیں۔

“لیکن تم نے تو کہا۔۔۔۔۔”

“وہ راپنزل تھی۔ جب میں پاکستان میں رہتا تھا تو بلکل راپنزل تھی۔ اس کے بال بہت لمبے تھے۔”

اس نے آسودگی سے سر جھٹکا۔ بہت کچھ ٹوٹ کر جڑ گیا۔ لیکن دراڑیں رہ گئیں۔

“اب۔۔۔اب وہ بدل گئی ہے۔ اس نے اپنے بال بھی کٹوا لئے تھے۔ اب وہ راپنزل نہیں رہی۔ لیکن وہ مجھے ہمیشہ راپنزل ہی لگتی ہے۔ میں کیا کروں؟”

“ So you love her?”

“No. I don’t “

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بارسلونا کی فضائیں اس کو تاسف سے تکتی رہیں۔ اگر جھوٹے انسان کے لئے کوئی تاج ہوتا تو اس لڑکے کے سر پر ہوتا۔

"ایک بات پوچھ سکتی ہوں؟"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ محض سر ہلا دیا۔

"کیا تم بیمار ہو؟"

لڑکے نے ایک جھٹکے سے چہرہ موڑا۔ آنکھوں میں، بے یقینی، نا سمجھی اور ذرا سا خوف تھا۔ اگر غور سے دیکھو تو اس کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔

"میں نے تمھیں یہاں اکثر دیکھا ہے، لیکن کچھ دنوں سے تم بے حد کمزور لگ رہے ہو۔ اور تمھارے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا ہے۔"

وہ لڑکی اسے اتنے غور سے دیکھ رہی تھی کہ اسے شدید کوفت ہوئی۔ اس نے کوئی بھی جواب نہ دیا اور کچھ بھی کہے بغیر وہاں سے پلٹ گیا۔

پانی کی لہروں نے اسے الوداع کہا، سمندر کی ہوائیں اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگیں اور دور کھڑی سرخ بالوں والی لڑکی اس کی پشت کو دیکھتی رہی۔

"کیا تم بیمار ہو؟"

اس نے چلتے ہوئے سر جھٹکا۔ اور چہرہ جھکائے خاموشی سے قدم اٹھاتا رہا۔ بارسلونا کی روشنیاں اسے آخری مرتبہ دیکھ رہی تھیں۔ ان پر لازم تھا کہ اپنی چمک بڑھالیں۔

بتول اس وقت اپنے کمرے میں موجود تھی۔ وسیع اور پر تعیش کمرے میں جہاز سائز پلنگ کے علاوہ ہلکے گلابی رنگ کا زمینی کاؤچ رکھا تھا۔ وہ اس پر دھنس کر بیٹھی تھی۔ گود میں لیپ ٹاپ رکھا تھا۔ کمرے سے ملحقہ بالکنی خاموشی میں ڈوبی تھی۔ بالکنی کی گرل سے نیچے لان واضح دکھائی دیتا تھا۔ ڈنر ختم ہونے کے بعد سب اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔

اور آبان احمد۔۔۔ وہ اپنے گھر لوٹ چکا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

لیپ ٹاپ کی سکرین پر اس وقت بتول مغل کا آفیشل پیج کھلا تھا۔ آٹھ لاکھ اور چھیاسی ہزار فالوورز۔ وہ بٹن دباتے ہوئے اپنا پیج سکرول کر رہی تھی۔ وہ اس وقت ٹی شرٹ اور ٹراؤزر پہنے ہوئی تھی۔ بالوں کو رف سے جوڑے میں باندھا تھا۔ چہرہ دھلا دھلایا۔ اسکرول کرتے کرتے اس کا ذہن اسی ایک شخص کی طرف چل گیا، جو اتنے سالوں سے اس کی سوچوں کا مرکز تھا۔ وہ کل آرہا تھا۔ وہ اتنے عرصے بعد آرہا تھا۔ اس کو روبرو دیکھنا کیسا ہو گا؟ کیا اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گی، کیا اس کا سانس پھولے گا۔ کیا اس سے باتیں کرتے ہوئے وہ بار بار اپنی ٹانگیں جھلائے گی؟ اس کو دیکھتے ہوئے وہ اپنی انگلیاں مروڑے گی۔

پھر اسی کی سوچوں کا رخ بدل گیا۔ ہو سکتا ہے کہ بتول اس سے بات ہی نہ کرے۔ اسے دیکھے تک نہ۔ اب یہ تو وقت ہی بتائے گا۔

وہ سوچتے ہوئے بے دھیانی سے اپنے اکاؤنٹ کی تصاویر دیکھ رہی تھی۔ کسی تصویر میں وہ اپنی دوستوں کے ساتھ ریستوران میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھی، کسی تصویر میں وہ اکیلی

تھی، عیدوں کی تصاویر، گریجویشن کی تصاویر، کسی بھی تہوار کی تصویر دوسرے کلوتھنگ برانڈز کے ساتھ کولابریشن کی پوسٹس۔

ان تصاویر کو دیکھتے ہوئے ہمیشہ کی طرح ایک ہی خیال آیا تھا کہ کیا عبداللہ اس کی تصاویر دیکھتا ہو گا؟ لیکن اس نے تو بتول کا پیج کا فالو ہی نہیں کیا ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے کسی دوسرے نام سے اس کا پیج فالو کیا ہو۔ پھر وہ اپنی ہی سوچ پر بے ساختہ ہنسی پڑی۔ وہ ایسا کیوں کرے گا؟ اسے کیا ضرورت تھی۔ اگر وہ چاہتا تو وہ براہ راست اس سے بات کر سکتا تھا، ساری بات ہی یہ تھی۔ وہ چاہتا ہی تو نہیں تھا۔

خیر۔ اس نے سر جھٹکا۔ کچھ دیر گزری تو پاس پڑا موبائل تھر تھرانے لگا۔

اس نے چونک کر دیکھا۔ نام پر نظر پڑتے ہی حلق تک کڑوا ہو گیا۔ آنکھوں میں ڈھیروں غصہ امڈ آیا۔ وہ اس وقت کال کیوں کر رہا تھا۔ اس نے کال کاٹ دی۔ موبائل پھر سے بجنے لگا۔ اس نے تنک کر کال اٹھائی۔

"جی فرمائیے۔ رات کے اس پہر کسی لڑکی کو کال کرنا بہت ہی کوئی غیر اخلاقی حرکت ہے۔"

گود میں دھرا لیپ ٹاپ ہنوز روشن تھا۔

دوسری جانب وہ سیاہ آنکھوں والا لڑکا اپنے کمرے کی بالکنی میں رکھے صوفے پر بیٹھا تھا۔ ٹانگیں لمبی کر کے گرل پر ٹکا رکھی تھیں۔

"مس بتول! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔ کیا آپ کے پاس تھوڑا وقت ہو گا؟"

وہ بہت دھیمے لہجے میں بول رہا تھا۔ ٹھہر ٹھہر کر۔

"تھوڑا؟ میرے پاس تو بہت سا وقت ہے۔ لیکن آپ کے لئے نہیں۔"

جتا کر کہا۔ پھر لیپ ٹاپ اٹھا کر کاؤچ میں رکھا اور خود وہاں سے اٹھ گئی۔ بالکنی کا دروازہ کھول کر گرل کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

"پھر کس کے لئے ہے؟"

"مسٹر ابان احمد! مدعے پر آئیں۔"

ناگواری سے کہتے ہوئے سر جھٹکا۔ جوڑے سے لٹیں نکل کر چہرے پر جھول رہی تھیں.

"اوکے تو پھر مس بتول۔۔"

وہ کہتے ساتھ ہی اپنی جگہ سے اٹھا۔ پاؤں میں جوتے اڑسے۔ اور شیشے کی گرل پر اپنا ہاتھ رکھ کر اوپر آسمان میں دیکھنے لگا۔ چاند چمک رہا تھا۔ چاندنی پورے شہر میں پھیلی تھی۔ اس کے کمرے کی بالکنی میں بھی وہی چاندنی بکھری ہوگی۔ کیا وہ بھی چاند کو دیکھ رہی ہوگی؟

"آپ مجھ سے اتنی خفا خفا سی اور بےزار سی کیوں رہتی ہیں۔ مجھے بلکل اچھا نہیں لگتا۔"

"مجھے بہت اچھا لگتا ہے کہ آپ کو اچھا نہیں لگتا۔"

اس نے سر اٹھا کر آسمان پر چمکتے ہوئے چاند کی طرف دیکھا۔ بارسلونا میں بھی یہی چاندنی پھیلی ہوگی، کیا وہ بھی چاند کو دیکھ رہا ہوگا۔ کیا یہ صرف اس لئے ہے کہ انکل۔۔۔"

"جی۔۔۔ بلکل۔۔ یہ اسی وجہ سے ہے کہ انکل یعنی میرے ڈیڈ آپ کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں۔ آپ کہیں گے دن ہے تو وہ کہیں گے دن ہے۔ آپ کہہ دیں گے کہ آج سورج مغرب سے نکلا ہے تو وہ یہ بھی مان جائیں گے۔ آپ نے ایسا کیا جادو کیا ہے؟ اور ایک میں

ہوں جو انھیں نظر نہیں آتی۔ میرے فیصلے انھیں ہمیشہ برے لگتے ہیں۔ میری اپنی زندگی ہے۔ اپنی چوائسز ہیں۔ میں انھیں کیسے سمجھاؤں، مجھے نہیں پتہ۔ ان کو لگتا ہے کہ وہ مجھ پر سختیاں کر کے مجھے محفوظ کر لیں گے۔ ایک بیٹا مر گیا ہے تو کیا ہوا۔ ایک بیٹی بھی تو ہے۔

خیر! لیکن مجھے آپ برے لگتے ہیں۔ بہت برے۔ آپ کے پاس وہ ہے جو میں چاہتی ہوں۔ آپ کو پسند کرنے کے لئے میرے پاس کوئی وجہ نہیں۔ اور کچھ؟ یا فون رکھ دوں۔"

روانگی میں کہتے کہتے اس کا سانس پھول گیا تھا۔ وہ بری طرح ہانپ گئی۔ اس نے ساتھ ہی موبائل کان سے ہٹا کر دوسری طرف کا جواب سنے بغیر کال بند کر دی۔ آنکھیں بند کیں اور گہرے گہرے سانس لئے۔ ریلیکس بتول ریلیکس۔ تم نے بدتمیزی نہیں کی۔ تمھاری غلطی نہیں تھی۔ تم نے کچھ غلط نہیں کیا۔ تم نے وہ کہا جو تمھارے اندر تھا

۔سکون۔۔۔سکون۔۔۔سکون۔۔۔

اور سکون تو کہیں نہیں تھا۔

دوسری طرف ابان فون کان سے لگائے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں گہرا کرب تھا۔

افسوس تھا۔۔۔۔ وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔ بلکل نہیں چاہتا تھا۔

اور انسان جو چاہے وہ ہوتا ہی کب ہے؟

....

رات گہری ہوئی، صبح اتری، پورے شہر میں صبح کی روشنی پھیل گئی۔

آج عبداللہ آرہا تھا۔ جہاں آرا مغل کا بیٹا عبداللہ۔ علیزہ اور امل کا بھائی عبداللہ۔ اور بتول مغل کا۔۔۔۔ خیر۔

مغل محل میں صبح سے ہلچل مچی تھی۔ آغا علی مغل نے ساری تیاریاں بہت جوش و خروش سے کروائی تھیں۔ ان کے خاندان کا واحد مرد۔ ان کی بیٹی کا بیٹا۔ ان کے بیٹے کا ہونے والا داماد۔ یقیناً عبداللہ کی اہمیت اس خاندان میں بہت تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اور بتول۔۔۔۔وہ صبح سے اپنے کمرے میں بند تھی۔اسے آج پی آر پیکیجز بھی موصول ہوئے تھی۔اس نے آسکے متعلق بھی ویڈیوز بنانی تھیں لیکن یہ سب ضروری نہ تھا۔عبداللہ آرہا تھا۔۔۔۔اس سے زیادہ ضروری تو کچھ نہیں تھا۔

لاؤنج میں موجود، فریال، دادا اور علیزہ اور ان کے درمیان شوروغل کو پیچھے چھوڑ کر لاونج کی گول دار سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاؤ تو عین نظروں کے سامنے دو کمرے تھے۔ایک بتول کا اور ایک عبداللہ کا۔عبداللہ کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور جہاں آرا ملازموں سے کمرے کی سیٹنگ کروا رہی تھیں۔یہ کام کل ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ کل پھپھو کی سالگرہ تھی اس لئے وقت نہ مل سکا۔

جہاں آرا رف سے حلیے میں مصروف دکھائی دیتی تھیں۔

انھوں نے بتول کے کمرے کا بند دروازہ دیکھا تو سوچا کہ اندر جا کر اسے بلا لائیں۔

انھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔جواب ندارد۔پھر دروازہ کھٹکھٹایا۔شاید وہ سو رہی ہو۔لیکن بتول دیر تک سونے کی عادی ہر گز نہ تھی۔

"کون۔"

اندر سے مصروف سے آواز سنائی دی۔ پھپھو دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں تو کمرے کی حالت بگڑی ہوئی تھی۔

"پھپھو آپ ہیں یار، آجائیں۔ آپ کیوں اجازت مانگتی ہیں۔"

وہ لیپ ٹاپ کی سکرین کھولے بیڈ پر بیٹھی تھی۔اس کے نزدیک کئی شاپرز پڑے تھے، کچھ سامان بھی رکھا تھا۔ مختصراً کمرہ انتہائی بکھرا ہوا تھا۔

"بتول۔۔۔ آج عبداللہ کی واپسی ہے۔بتایا تو تھا تمھیں۔"

وہ کہتے ساتھ ہی اس کے قریب بیڈ پر جگہ بناتے ہوئے بیٹھ گئیں۔بالکنی کا دروازہ کھلا ہوا تھا ۔کمرے میں روشنی پھیلی تھی۔

"اوہ ہاں !میں صبح سے مصروف تھی۔یاد ہی نہیں رہا۔"

اس نے لیپ ٹاپ کی اسکرین بجھادی۔ پھر آلتی پالتی مار کر پھپھو کے سامنے بیٹھ گئی۔ وہ رات والے رف سے حلیے میں تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ چہرہ بے تاثر تھا۔ وہ پھپھو کے بولنے کی منتظر تھی۔ ظاہر وہ کچھ کہنے آئی تھیں۔

"تمھیں یاد نہیں رہا کہ آج عبداللہ آرہا ہے۔"

بتول نے جھٹ سے سر اثبات میں ہلایا، پھر خفت سے چہرہ پھیر لیا۔

بھئی عبداللہ نہ ہو گیا، امریکا کا صدر ہو گیا۔ آرہا ہے تو آئے، اب کیا وہ بھنگڑے ڈالے، یا خوشی سے جھومنے لگے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میں۔۔۔میں جانتی ہوں کہ اس نے گزرے سالوں میں تم سے ایک مرتبہ بھی بات نہیں کی۔ تم سے کوئی رابطہ نہیں رکھا۔ تم میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی ہے نا؟"

بیڈ شیٹ پر چلتی بتول کی انگلیاں لمحے بھر کے لئے ساکت ہوئیں لیکن بس ایک لمحے کے لئے۔ اس نے چہرہ نہ اٹھایا۔ لیکن دل۔۔۔۔ہاں وہ سکڑ کر پھیلا تھا۔

"بتول بولو نا۔ میں تم سے بات کر رہی ہوں۔"

اب کے اس نے چہرہ اٹھایا۔ سرمئی آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں تھا۔ باطن جیسا بھی ہو، ظاہر پر کوئی اثر نہ پڑا۔

"بتول"

جہاں آرا نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی۔ بتول نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھے گئیں۔

"بتول۔ اب تم"

"پھپھو آپ سب جانتی ہیں۔ آپ یہ بھی جانتی ہیں کہ وہ اس منگنی سے خوش ہرگز نہیں ہیں۔ وہ وہاں جا کر بدل گئے ہیں۔ یا پھر ہو سکتا ہے کہ۔۔۔"

وہ لمحے بھر کے لیئے رکی۔ خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ پھر چہرہ اٹھایا۔ پھپھو کی آنکھوں میں دیکھا۔

"وہ کسی اور کو پسند کرتے ہوں۔ انھیں کوئی انگریز لڑکی پسند آ گئی ہو۔"

کمرے کی کھڑکی ہوا کی وجہ سے زور سے کھلی۔ شیشوں کے بجنے کی آواز آئی۔ پردے لہرا اٹھے۔ ٹھنڈی ہوا اندر تک پھیل گئی۔

بتول مغل کا دل بے حد زور سے دھڑکا۔ لیکن وہ کہہ گئی۔ حلق میں گیلی گیند اٹک گئی جسے اس نے نگل لیا۔ پلکوں کو دو تین بار جھپکا۔

"میں نے آپ کو کبھی کچھ نہیں کہا۔ کیونکہ میں آپ کو کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتی۔ میں جانتی ہوں کہ آپ مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں۔ میرا برا نہیں چاہ سکتیں۔ اولاد کے آگے انسان بے بس ہوتا ہے۔ آپ نے پہلے ہی اولاد کا غم دیکھا ہے۔ خدا کسی ماں کو اولاد غم نہ دکھائے۔ لیکن آپ نے اور میرے پیرنٹس نے اس غم کو بھی جھیلا ہے۔ میں کسی کو مزید تکلیف نہیں دینا چاہتی۔"

جہاں آرا مغل یک ٹک اپنے سامنے بیٹھی لڑکی کا چہرہ دیکھتی رہ گئیں۔ وہ اتنی بڑی کب ہو گئی تھی؟ وہ کتنی بڑی باتیں کر رہی تھیں۔ ان کا دل بھر آیا۔ انھوں نے بتول کا ہاتھ زبردستی پکڑ لیا۔ بتول نے انھیں پکڑنے دیا۔

"میں تم سے وعدہ کرتی ہوں تمہیں عبداللہ کی وجہ سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اور ہاں! اسے کوئی انگریز لڑکی نہیں پسند"۔

وہ اس کا ہاتھ پکڑے اپنی جگہ سے اٹھیں۔

اس کے بال سہلائے۔

"بتول! تم مجھے بہت پیاری ہو۔"

بتول نے اپنا چہرہ اٹھایا۔ پھر مسکرائی۔ کہا کچھ نہیں۔ آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"لیکن تم ٹھیک کہتی ہو خدا کسی ماں کو اولاد کا غم نہ دکھائے۔ امل میری نظروں سے جاتی ہی نہیں ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ میری بچی نے اپنی جان خود لی تھی۔ تم خود بتاؤ وہ ایسا کر سکتی تھی؟"

بتول کی آنکھوں کی پتلیاں ساکت ہوئیں۔ وہ کیا کہہ بیٹھی تھی۔ اسے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔ اس نے پھپھو کو ان کی جواں بیٹی کی موت یاد دلادی تھی۔ اور وہ بھی آج جب عبداللہ آ رہا تھا۔ اسے بے اختیار پچھتاوا ہوا۔

"تم بتاؤ۔۔۔بتول۔۔۔ عبداللہ کہتا تھا کہ ماں! امل نے خودکشی کر لی۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ کیا میری بیٹی مرنے کے بعد بھی تڑپ رہی ہو گی۔ اس نے خودکشی نہیں کی تھی۔ ہے نا؟"

بتول کو سمجھ نہ آئی کہ وہ کیا کہے۔ وہ کن الفاظ سے تسلی دے۔ کسی اپنے کی موت پر صبر الفاظ سے نہیں آتا، وقت گزرنے سے بھی نہیں آتا۔ بلکہ موت واحد غم ہے جس پر کبھی صبر نہیں آتا۔

وہ ہنوز پھپھو کا ہاتھ تھامے اپنی جگہ بیٹھی تھی۔ حلق میں کانٹے اگ آئے تھے۔ امل کی موت کے ساتھ اس کے بھائی کی موت کی یاد بھی جڑی تھی۔

"اس نے خودکشی نہیں کی تھی۔"

اس نے کہہ دیا۔ پھپھو کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ وہ نڈھال سے انداز میں ٹھنڈے فرش پر بیٹھ گئیں۔ بتول فوراً اپنی جگہ سے اٹھی۔ پھپھو کو کندھوں سے تھاما۔

"پھپھو۔۔۔ پھوپھو۔۔۔ امل آپی نے خودکشی نہیں کی تھی۔۔۔ نہیں کی تھی۔۔۔"

Clubb of Quality Content

"لیکن عبداللہ کہتا تھا۔۔۔ عبداللہ کہتا تھا"

اس نے ہاتھ بڑھا کر ان کے آنسو صاف کیئے۔

پھپھو ہنوز آنسو بہا رہی تھیں۔

"میری بچی۔۔۔امل۔۔۔وہ اب بھی تڑپ رہی ہوگی۔اس نے خودکشی کیوں کی۔بتول؟ وہ مجھے کہہ دیتی، میں اسے زہر دے دیتی،اس کا گلہ گھونٹ دیتی۔وہ موت کے بعد کے عذاب سے تو بچ جاتی۔وہ اب بھی تڑپ رہی ہوگی"۔

بتول کے آنکھوں سے نمکین پانی نکلنے لگا۔پانچ سال پہلے کے سارے مناظر آں کھوں کے سامنے گھوم گئے۔

اس نے پھپھو کو بھینچ کر سینے سے لگایا اور ان کی پشت سہلانے لگی۔

"ریلیکس۔۔پھوپھو۔۔۔ریلیکس۔۔۔آپ اللہ سے دعا کیا کریں۔۔دعائیں تو سب کچھ بدل دیتی ہیں۔"

Clubb of Quality Content!

اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اور کیا کہے۔ وہ جانتی تھی کہ اکثر پھپھو اس حالت میں چلی جاتی تھیں۔ کچھ دن وہ شدید خوش باش رہتی تھیں اور کچھ روز شدید ڈپریشن میں گزر جاتے تھے۔

وہ کچھ دیر تک ٹھیک ہو جائیں گی۔ ہاں! نارمل ہو جائیں گی۔

"امل نے خودکشی نہیں کی تھی۔۔۔ امل نے خودکشی نہیں کی تھی۔"

پھوپھو دھیرے دھیرے کہہ رہی تھیں۔ الفاظ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔

"لیکن عبداللہ کہتا تھا۔۔۔ وہ کہتا تھا۔۔۔"

عبداللہ ٹھیک کہتا تھا۔ امل نے خودکشی کی تھی۔ یہ کون نہیں جانتا تھا؟ لیکن تکلیف ہر مرتبہ نئے سرے سے ہوتی تھی۔

....

زندگی کی کتاب کے صفحات پلٹ گئے، ٹائم مشین کی مدد سے وقت کا سفر کیا گیا اور ہم اس پھر ایک چھوٹے سے گھر کے صحن میں کھڑے ہیں۔ یہ شہر لاہور کی مڈل کلاس آبادی ہے، لیکن اس کو کسی خاص طبقے کے ساتھ مختص نہیں کیا جا سکتا، یہاں لوئر مڈل کلاس کے لوگ بھی بستے ہیں اور اسی محلے میں مڈل کلاس لوگوں کے گھرانے بھی ہیں۔ الغرض یہاں لبرل سوچ والے خاندان بھی ہیں اور دقیانوسی سوچ والے بھی۔

صحن میں کھڑے ہو کر نظر سامنے دوڑاؤ تو گھر کے گراؤنڈ فلور پر دو کمرے اور دو ہی کچن تھے۔ چھوٹا سا صحن تھا۔ سامنے دو جالی دار دروازوں کے درمیان علیحدگی کی خاطر دیوار تنگی۔ جالی دار دروازہ پار کر کے اندر داخل ہو تو سب سے پہلے چھوٹا سا کچن اور کچن کے باہر والی جگہ خالی تھی۔ سامنے ایک کمرہ تھا۔ اور کمرے کے باہر ہی سیڑھیاں تھیں جو بالائی منزل کی طرف جا رہی تھیں۔ اگر دیوار کے درمیان سوراخ بنا کر دوسری طرف جھانکو تو وہاں بھی ایسا ہی نقشہ تھا۔ ہو بہو ایک جیسا۔

کمرے کا دروازہ بند تھا۔ کمرے کے اس پار ایک لڑکی سنگل صوفے پر بیٹھی تھی۔اس کے ہاتھ میں موبائل تھا۔

"میری دوست کافی سالوں بعد مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔اس نے مجھے کسی ریستوران بلایا ہے۔ میں وہاں جانا چاہتی ہوں۔ کیا میں چلی جاؤں؟۔"

وہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔اس کی آں کھوں میں اداسی امڈ آئی۔وہ اپنی دوست سے ملنا چاہتی تھی۔ کسی نہ کسی طرح۔

کمرے میں سنگل بیڈ رکھا تھا۔وہاں خوبصورت ل قوش والی عورت بیٹھی تھی۔دوپٹہ گلے پر لے رکھا تھا۔

"تو چلی جاؤ۔کوئی بات نہیں۔"

"کیا ضرورت ہے جانے کی۔ آج تک خاندان کی کوئی لڑکی اپنی دوستوں سے ملنے ریستوران گئی ہے کیا۔اور پھر سب باتیں کریں گے کہ یہ اکیلی گئی ہے۔ کیا کرنے گئی ہے۔ چھوڑیں اماں"۔

Clubb of Quality Content!

یہ آواز کسی لڑکے کی تھی۔ وہ زمین پر بیٹھا تھا۔ کمرے میں بنی سیاہ الماری کے ساتھ پشت لگائے۔۔اس کی آنکھوں میں سختی تھی نہ لہجے میں برہمی۔ وہ دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"تم چھوڑ کر آنا اپنی بہن کو۔ اکیلی کیوں جائے گی۔ اور جو کرتے ہیں باتیں تو کرتے رہیں۔ زمیں پر بیٹھے لڑکے کو اپنی ماں کی یہ بات بلکل اچھی نہ لگی۔

"تم چلی جاؤ"

بیڈ پر بیٹھی عورت نے اجازت دینے والے انداز میں کہا تھا۔ کمرے کی چھت پر لگا پنکھا ہلکا ہلکا جھول رہا تھا۔

"لڑکیاں جاتی ہیں اپنی دوستوں سے ملنے اس میں کیا ہے؟ بتول بھی تو جاتی ہے نا۔ کبھی کسی دن، کبھی کسی دوست کے ساتھ۔ اور وہ تو مجھ سے اتنی چھوٹی بھی ہے۔"

کرسی پر بیٹھی لڑکی نے بہت آہستہ آواز میں کہا تھا۔ اس کی صاف اجلی رنگ تھی، ناک پر سونے کی چھوٹی سی لونگ۔ کندھوں تک چھوٹے کٹے بال۔ سفید شلوار قمیض کے ساتھ سیاہ

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

دوپٹہ لے رکھا تھا۔ وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے کرسی کے ساتھ پشت ٹکائے بیٹھی تھی۔ وہ دکھنے میں بہت خوبصورت لگتی تھی۔

"وہ بتول ہے۔ اس کی بات اور ہے۔"

زمین پر بیٹھا لڑکا ایک دم سے آگے کو ہوا۔ ایک نظر اپنی ماں کو دیکھا۔

"امل! ہم میں اور بتول کے گھر والوں میں بہت فرق ہے۔ ان کا لائف سٹائل اور ہے۔ ان کی زندگی اور کلاس سب کچھ الگ ہے۔ ہم اپنا مقابلہ ان سے نہیں کر سکتے۔"

وہ سمجھانے والے انداز میں اپنی ماں اور بہن کو کہہ رہا تھا۔

"میں نے بھی اسی خاندان اور کلاس میں زندگی کے تئیس سال گزارے ہیں۔"

بیڈ پر بیٹھی جہاں آرا مغل کو اپنے بیٹے کی یہ بات بلکل اچھی نہ لگی تھی۔ ان کے چہرے پر اب بھی حسن تھا۔ بلکل بتول کے جیسا۔

"اور عبداللہ! تم ہر وقت ایسی باتیں کیوں کرتے ہو؟ وہ تمہاری بھی فیملی ہے۔ جیسے میری ہے۔"

بیڈ پر بیٹھی عورت کو حقیقتاً افسوس ہوا۔ عبد اللہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ہاتھوں کی مدد سے بال پیچھے کئے۔ ایک نظر صوفے پر بیٹھی امل کو دیکھا اور دوسری نظر اپنی ماں کو۔

"اگر آپ بھی ابا کے بجائے اپنی کلاس کے کسی مرد سے شادی کر لیتیں۔ تو نہ میں ایسی چیزیں سوچتا اور نہ ایسی باتیں کرتا۔ ہم یہاں رہتے ہیں، ہمیں یہاں کے لوگوں کے مطابق زندگی گزارنی پڑتی ہے۔"

وہ کہتے کہتے رک گیا۔ پھر غور سے امل کی طرف دیکھا۔

"تم ریستوران نہیں جاؤ گی۔ اگر تم چھوٹے بھائی کی حیثیت سے میری ذرا برابر بھی عزت کرتی ہو تم میرا کہا مانو گی۔"

Clubb of Quality Content

اتنا کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ پیچھے امل اور جہاں آرا خاموش بیٹھی رہی گئی تھیں۔

امل کو یقین تھا کہ وہ عبد اللہ سے بات کرے گی تو مان جائے گا۔ایک کافی کا مگ، چکن سینڈوچ اور چند میٹھی باتیں۔۔۔وہ مان جائے گا اور اسے خود اسکی دوست سے ملوانے لے کر جائے گا۔ لیکن عبد اللہ کی کہہ گئی بات اس کے ذہن سے چپک گئی تھی۔ اگر جہاں آرا

مغل بھی اپنی کلاس کے کسی مرد سے شادی کر لیتیں تو آج۔۔۔ آج وہ مختلف ہوتے۔ وہ بھی بتول جیسی زندگی گزار رہی ہوتی۔ وہ کہاجا رہی ہے، کس سے مل رہی ہے، کیوں مل رہی ہے۔۔۔۔۔ یہ سب اتنا اہم نہ ہوتا۔ نہ سوال جواب کی تکرار۔۔۔۔ نہ کوئی حدود بں دی۔

حال سے ماضی کا سفر طے کرتے ہوئے ہم ایک لگژری اپارٹمنٹ میں داخل ہوتے ہیں۔ رہائشی عمارت کی ساتویں منزل پر داخل ہوں تو اندر آتے ہی آنکھوں کے سامنے وسیع اور پر تعیش سٹنگ ایریا دکھائی دے گا۔ نیلے اور سفید رنگ کے امتزاج سے سجایا گیا لاؤنج آں کھوں کو بھلا لگتا تھا۔ اس قت لاؤنج خاموشی میں ڈوبا تھا۔

لاونج کے دائیں جانب ایک کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اندر سے باتوں کی ہلکی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔

دروازے کے اس پار ایک شخص کمرے میں رکھے ورک ٹیبل پر بیٹھا تھا۔ میز پر لیمپ کی سنہری روشنی پھیلی تھی۔ وہ ٹانگیں نیچے لٹکائے، ٹیبل کی سطح پر رکھی ایک کتاب کی ورق گردانی کر رہا تھا۔

"ویسے۔۔۔ابان! یار۔۔"

یہ آواز کمرے کے ایک کونے سے سنائی دیتی تھی تھی۔ ابان نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک نوجوان لڑکا ڈبل صوفے پر ٹانگیں پھیلا کر نیم دراز تھا۔ گود میں کشن تھا اور ہاتھوں میں موبائل۔

"کیا ہے؟"

وہ جل کر بولا۔

"کچھ نہیں۔"

صوفے پر بیٹھا لڑکا ابان کو اپنی طرف متوجہ کر کے موبائل میں مصروف ہو گیا تھا۔

"اب تم نے مجھے آواز دی۔۔۔ تو میں تمھیں بالکنی سے نیچے پھینک دوں گا۔"

کمرے میں ذر کار کی مدھم روشنی پھیلی تھی۔

"کیا میں تمھیں۔۔۔۔ آواز بھی نہیں دے سکتا۔؟"

وہ لڑکا موبائل پر نظریں جھکائے بولا تھا۔ آس پاس خاموشی تھی۔ محض ابان کی کتاب کے صفحات پلٹنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ صوفے پر بیٹھا لڑکا اپنی جگہ سے اٹھا اور ابراہیم کے نزدیک بیڈ پر آکر بیٹھ گیا۔ پھر اس کو دیکھتے ہوئے پلکیں جھپکائیں۔

"اب کیا ہے یار؟ پڑھنے دو نا۔"

"تو تمہارا کونسا سی ایس ایس کا امتحان ہے اور تم نے کونسا پاس ہو جانا ہے۔"

ابان کی سخت گھوری پر اس کی چلتی زبان رکی۔ لیمپ کی روشنی میں اس کا چہرہ واضح ہوا۔ متناسب نقش اور گندمی رنگت۔ چہرے پر نوعمری تھی۔ وہ کوئی تیئیس چوبیس برس کا دبلا پتلا سا لڑکا تھا۔

"اب اگر تم نے مجھے سی ایس ایس پاس نہ کرنے کا طعنہ دیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

اس نے کتاب بند کر دی۔ اب وہ پڑھ ہی نہ لے۔ چہرے پر برہمی اور بے زاری تھی۔ اب وہ سکون سے کوئی کتاب بھی نہیں پڑھ سکتا۔

"مجھے اس کا نام بتاؤ۔"

لڑکا تجسس سے آگے کو ہوا۔ آنکھیں چمکیں۔ کمرے میں اے سی کی ٹھنڈک پھیلی تھی۔

"کس کا؟"

ابان نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"وہی جو تم سے برا ہے۔ تم سے برا کوئی ہو بھی نہیں سکتا۔ مائے فرینڈ۔"

پھر وہ قہقہہ لگا کر خود ہی ہنس پڑا۔ مزاق اڑانے والے انداز میں۔ ابان کے تاثرات ویسے ہی رہے جیسے تھے۔ اس نے کتاب مکمل بند کر دی اور پورا کا پورا اس کی جانب پلٹا۔

"ویسے میں سوچتا ہوں کہ کاش میں بھی کسی ناول کا ہیرو ہوتا۔ جس کام میں ہاتھ ڈالتا، کامیاب ہو جاتا۔"

وہ گال تلے ہتھیلی رکھ کر، کہنی ٹیبل پر ٹکائے خلا میں تکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ سنہری روشنی میں اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ سیاہ رنگ کی آنکھیں یوں لگتی تھیں جیسے تاروں سے بھرے آسمان میں چاند ہو۔

"لیکن قسمت ہے کہ۔۔۔ پہلے میڈیکل کا ٹیسٹ دیا تو اس میں پاس نہ ہو سکا۔۔۔ پھر بیچلرز کے بعد دو۔۔۔"

وہ رکا۔ پاس بیٹھے لڑکے کو غور سے دیکھا۔ پھر دو انگلیوں کو وی کی شکل بنایا اور بہت ہی حسرت سے بولا۔

"ایک بھی نہیں۔۔ دو مرتبہ سی ایس ایس کا امتحان دیا۔ لیکن حکومت چاہتی ہی نہیں کہ مجھ جیسا قابل انسان افسر بنے۔"

وہ سر جھٹکتے اپنی جگہ سے اٹھا۔ لڑکا ہنوز شرارتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں اپنی حکومت کے لئے افسوس ہی کر سکتا ہوں کہ مجھ جیسے ذہین، ہونہار اور خوبصورت افسر سے محروم رہی"۔

وہ گہرے تاسف سے کہہ رہا تھا جیسے اسے واقع افسوس ہوا ہو۔ بے حد افسوس۔ خود پر

ل ہیں، حکومت پر۔

"اچھا۔۔اچھا بس۔۔۔ڈرامے دیکھو لاڈ صاحب کے۔ اتنا ذہین ہوتا تو افسر نہ ہوتا۔ ہونہہ۔

افسر بنے گا"۔

وہ لڑکا تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔ پھر ساتھ ہی قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"افسر بنو گے؟"

وہ پھر ہنس پڑا

"افسر۔۔۔افسر بنے گا؟"

"یار اگر شیشہ نہیں تھا تو مجھے بتا دیا ہوتا میں لا کر دکھا دیتا۔ خود کو دیکھ کر تو ایسی بات نہ

کرتے تم"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ہنسی کے دوڑے کے دوران وہ بمشکل بول پایا تھا۔ اور ابان جو کمرے کے عین درمیان اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کھڑا تھا۔ اس نے صوفے پر پڑا کشن اٹھا کر اسے دے مارا۔

"اٹھو۔۔۔ فوراً اٹھو یہاں سے۔ اپنے کمرے میں جاؤ۔ میں کہہ رہا ہوں اپنے کمرے میں جاؤ."

"اچھا نا۔ پُرسکون رہو۔ میرے پاس بیٹھو۔ تم سے بات کرنے کا من ہو رہا۔"

وہ ایسے بولا جیسے روٹھی محبوبہ کو بہلا رہا ہو۔ ابان سُلگتا ہوا اپنی سابقہ جگہ پر جا بیٹھا۔

"اب تمھارے کیا پلانز ہیں ابان؟"

ہاں! اب وہ سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔ آنکھوں کی شرارت مفقود تھی۔

"تم اپنا گھر کب خریدو گے۔۔ تم۔۔"

"یار! ابھی میں گھر نہیں خریدنا چاہتا۔"

Clubb of Quality Content

اس نے ہاتھ جھلاتے ہوئے اس کی بات ٹوک دی۔ پھر اپنی کتاب کھول کر بیٹھ گیا۔ جس صفحے سے کھولا تھا،وہ صفحہ کھو گیا۔ اسے شدید کوفت ہوئی۔

"پھر۔۔۔ کیا کرنا ہے۔۔۔اپنی ان کتابوں کے ساتھ زندگی گزارنی ہے؟"

"ہاں"

وہ مطلوبہ صفحہ ڈھونڈتے ہوئے بڑبڑایا۔ لڑکے کے تاثرات برہم ہوئے۔

"تم۔۔۔ کیوں سنجیدہ نہیں ہو۔۔ آگ میں جھونکوں ان کتابوں کو۔"

ابان احمد نے آنکھیں اٹھائیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میں۔۔ میں سنجیدہ نہیں ہوں"

اس نے انگلی سے سینے پر دستک دی۔ آنکھوں میں حیرانگی تھی۔

"مین نے صفر سے شروع کیا تھا۔ میرا باپ میرے لئے لمبی چوڑی دولت چھوڑ کر نہیں گیا تھا۔ محض اچھے لوگ اور رابطے چھوڑے تھے۔ میں اس وقت مغل اینڈ سنز کے تیس

فیصد شیئرز کا مالک ہوں۔ اور اس وقت میں گھر نہیں خریدنا چاہتا، اپنے شیئرز بڑھانا چاہتا ہوں۔"

وہ گہری سنجیدگی سے بولا تھا۔ آن کھوں میں مستقبل کے متعلق مضبوط حکمت عملی کے منصوبے کی چمک تھی۔ پاس بیٹھا لڑکا خاموش رہا۔ پھر مدھم زرکار کی روشنی میں اس کی آنکھوں میں شرارت ابھری۔

"ویسے وہ۔۔۔مالکن۔۔۔اوہ سوری تمہاری۔۔۔بزنس پارٹنر۔۔وہ بزنس کب سنبھالے گی؟"

"کون؟"

"بنو مت۔ جیسے تمھیں نہیں پتہ کہ میں کس کے بارے میں بات کر رہا ہوں؟"

"راحم! کس کے بارے میں بات کر رہے ہو؟"

وہ چہرے پر سنجیدگی سجائے پوچھ رہا تھا۔ ساتھ ساتھ پاؤں بھی جھلا رہا تھا۔ ظاہر ہے وہ خوب جانتا تھا کہ کس "مالکن" کے بارے میں بات ہو رہی ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"وہی جس کے بارے میں تم بات کرنے سے کتراتے ہو اور اگر بات ہو جائے تو بات ختم کرنے سے کتراتے ہو۔"

اور یہاں ابان احمد کے لب بے ساختہ مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ آنکھوں کی چمک بڑھی۔

"خیر۔۔ چھوڑو۔"

راحم نے ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں کہا۔

"اب میں کوئی بات کروں گا تو سب سے پہلے تم بلش کرو گے۔۔"

"ایک منٹ۔۔۔۔ میں کیوں بلش کروں گا، میں کوئی نئی نویلی دلہن ہوں؟"

اس نے راحم کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ اسے صدمہ ہی تو لگ گیا تھا۔

"پھر تم ہلکا سا مسکراؤ گے؟"

وہ ابان کی سنے بغیر اپنی کہے جا رہا تھا۔

"پھر اس کے بعد تم کہو گے کہ میں اس کے بارے میں کسی سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔"

ہو بہو ابان کی ن قل اتارتے ہوئے وہ بہت ہی دلچسپ لگ تھا۔ اور یہاں اباں کو شدید تپ ہی تو چڑھ گئی تھی۔

"ہاں! میں اس کے بارے میں کسی سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔ اب اٹھو۔۔"

"اور وہ تو تم سے براہ راست بات کرنا پسند نہیں کرتی۔"

دل تو کر رہا تھا کہ ایک دو مکے اسے جڑ دے لیکن ضبط سے بیٹھا رہا۔

"دیکھو، میرے پیارے دوست۔ یہاں سے اپنی تشریف کا ٹوکرا شرافت سے لے جاؤ ورنہ مجھے تمھیں دھکے دے کر باہر نکالنا آتا ہے۔"

وہ دانت پر دانے جمائے اس سے کہہ رہا تھا۔ دماغ کی رگیں پھولنے لگیں۔

راحم ہنستے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھا۔ پھر کشن اٹھا کر ابان کی گود میں پھینکا۔ شکر ادا کیا کہ وہ جا رہا تھا، وہ سکون سے بیٹھ کر تھوڑا کام ہی کر لے گا۔ وہ سر جھٹکتے ہوئے کتاب کی طرف جھک گیا۔ راحم دروازے کی چوکھٹ پر رکا۔ پھر مڑ کر اسے دیکھا اور دل جلا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ویسے مالکن کے ساتھ تمہارا کوئی مستقبل نہیں ہے، اس کے باپ کے ساتھ ٹرائے کر لو۔ شاید کامیاب ہو جاؤ۔"

کہتے ساتھ ہی ایک لمحے کی دیر کئے بغیر دروازے سے باہر قدم رکھا اور اپنی شکل گم کر لی۔

اندرابان کا وجود شعلوں کی زد میں آیا۔ اس لی، سر جھٹکتے ہوئے ورک ٹیبل پر دھرے لیپ ٹاپ کی اسکرین روشن کی۔ ٹچ پیڈ پر انگلیاں چلاتے ہوئے وہ اپنا فیس بک کا آفیشل پیج کھول رہا تھا۔ یکدم اس کے اندر باہر بے چینی گھل گئی تھی۔ راحم کہہ رہا تھا کہ وہ سنجیدہ نہیں تھا۔ وہ ایسا کیسے کہہ سکتا تھا۔ اس نے اپنا پیج کھولا اور ٹچ پیڈ پر انگلیاں چلاتے وہ کچھ لکھنے لگا تھا۔ ہاں! اسے لکھنے کی ضرورت تھی۔

"میں نہیں جانتا کہ آپ لوگ اپنی زندگی کے کس مقام پر ہیں اس وقت۔ کچھ لوگوں سے ان کے رشتے چھوٹ گئے ہوں گے، آپ میں سے کچھ اس رتبے میں نہیں ہوں گے جس کی کبھی اس نے خواہش کی ہوگی، کوئی اپنی پسندیدہ ڈگری حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا، کوئی اپنی پسندیدہ ڈگری کے باجود وہ حاصل نہیں کر پایا جو اس نے چاہا تھا، کسی کی نوکری

چھوٹ گئی اور کسی کو نوکری مل نہیں رہی م، کسی کے رشتے دار اس سے ناراض ہوں گے اور کسی کی شادی میں تاخیر ہو رہی ہوگی، کسی کے یہاں شادی کے چند ماہ گزر جانے کے بعد اولاد کی خوشخبری نہیں ہوگی اور کوئی شادی کے کئی سالوں بعد بھی اولاد سے محروم ہو گا۔"

وہ بہت جوش اور سنجیدگی کے ساتھ انگلیاں چلا رہا تھا۔ اسکرین کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ سیاہ آنکھوں میں مختلف رنگ منعکس ہو رہے تھے۔

"آپ زندگی کے جس بھی مقام پر ہیں۔ اگر معاشرے کے بنائے گئے اسٹینڈرڈ کے مطابق آپ کامیاب نہیں ہیں۔ کامیابی کی فکر ستاتی ہے، اپنا آپ بہت ہی ناکارہ اور فضول لگتا ہے، زندگی بہت عام سی چیز لگتی ہے تو ایک کام کریں۔ اپنی آنکھیں بند کریں، لمبے گہرے سانس لیں، اور خود کو بتائیں کہ آپ زندگی میں عین اسی مقام پر ہیں جہاں اللہ نے آپ کو اس وقت لانا تھا۔ آپ وہ ہیں جو کوئی دوسرا نہیں ہے۔ آپ اہم ہیں۔ زندگی کے چوبیس گھنٹے بہت اہم ہیں۔ آپ ہر وقت خوش، موٹیویٹڈ، اور ہنستے مسکراتے ہوئے نہیں رہ سکتے۔ لیکن آپ ہر وقت پرسکون ضرور رہ سکتے ہیں۔ ہر کوئی آپ کو کہے گا، آتے جاتے

مفت کے مشورے دے گا،اپنی رائے پیش کرے گا کہ اب اس وقت تمھارے پاس گھر، گاڑی،اچھی جاب،اچھا پارٹنر، بچہ، ہونا چاہیے۔ آپ کیا کریں گے؟ آپ مفت مشوروں اور چلتی پھرتی رائے کو بہت ہی آرام سے اگنور کریں گے۔ اپنی آنکھیں بند کریں گے، گہرے سانس لیں گے اور خود کو بتائیں گے کہ آپ زندگی میں عین اسی جگہ پر ہیں جہاں آپ کو اللہ اس وقت لانا چاہتا تھا۔ اور کچھ ہو نہیں سکتا جب تک اللہ نہ چاہے اور سب کچھ ہو سکتا ہے اگر اللہ چاہے۔ خدا حافظ۔"

لکھتے ساتھ ہی اس نے اپنی تحریر اپلوڈ کر دی۔ وہ اسکرین نیچے گرائے اب بہت ہی پر سکون نظر آرہا تھا۔ اندرونی خلفشار دم توڑ گئی تھی۔ اسے لکھنے کی ضرورت تھی،وہ لکھ چکا تھا۔ اس نے کرسی کے ساتھ پشت ٹکائی۔ آنکھیں موندلیں، گہری سانس بھری، پھر اونچی آواز میں کہا۔

میں زندگی کے عین اسی مقام پر ہوں جہاں اللہ مُجھے اس وقت لانا چاہتا تھا۔ ارد گرد کے لوگ میری کامیابی کے اسٹینڈرڈ سیٹ نہیں کرسکتے۔ میرے لئے کامیابی وہ نہیں ہے جو ان کے لیے ہے۔"

اس نے کہا، جسم نے سنا۔ اور دماغ نے یاد رکھا۔

اس کی تحریر اڑتی ہوئی ان ہزاروں فالوورز تک پہنچی جو اس کے پیج کا حصہ تھے۔ انھی لوگوں میں ایک لڑکی اپنے کمرے کی کھڑکی کے ساتھ پڑے کاؤچ میں بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں کافی کا گرما گرم مگ تھا۔ وہ گھونٹ گھونٹ بھرتی اپنا موبائل سکرول کر رہی تھی۔

نوٹیفیکشن کے جگمگاتے ہی اس نے فوراً تحریر پڑھی۔ ہر سطر کے ساتھ اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی جارہی تھی۔ اسے عجیب سا اطمینان ہوا۔

دیوار گیر کھڑکیوں پر دبیز پردے لٹکے تھے۔ کمرے میں موجود سب بیڈ کے وسط میں ایک چھوٹی بچی گہری نیند میں ڈوبی تھی۔ گلابی رنگ کے کاؤچ پر بیٹھی لڑکی نے موبائل کی

اسکرین بجھادی۔ کافی کا مگ ایک طرف رکھا۔ گہری سانس بھری، آنکھیں موندلیں۔ پھر اونچی آواز میں کہا۔

"میں زندگی کے عین اسی مقام پر ہوں جہاں اللہ مجھے اس وقت لانا چاہتا تھا"

اس نے کہا، جسم نے سنا اور دماغ نے اپنی یادداشت میں محفوظ کر لیا۔

اسے یکدم تر و تازگی کا احساس ہوا۔ اس کا بھائی بہت اچھا لکھتا تھا۔

(اگلی قسط جلد۔ انشاء اللہ)

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

ہماری ایپ ڈاؤنلوڈ کریں اور رسائی حاصل کریں بے شمار مزے دار ناولوں تک

Download our app

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842